سلسلہ مطبوعات:۲

تذکرہ

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

اختصار و تلخیص از تاریخ دعوت و عزیمت حصہ پنجم

زلفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

سید محمود حسن حسنی ندوی

مولانا علی میاں اکیڈمی

مدرسہ فلاح المسلمین، امین نگر، تیندوا، رائے بریلی

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

پہلا ایڈیشن

۱۴۳۱ھ - ۲۰۱۰ء

نام کتاب	:	تذکرہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (مؤلفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ)
نام مرتب	:	سید محمود حسن حسنی ندوی
صفحات	:	۶۴
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
کمپوزنگ	:	(حشمت علی) ڈالی گنج لکھنؤ
طباعت	:	کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ
قیمت	:	۳۰/روپئے

طابع وناشر

مولانا علی میاں اکیڈمی

مدرسہ فلاح المسلمین، امین نگر، تیندوا، رائے بریلی

فہرست

۱۔حدیث دل - محمود حسن حسنی ندوی	۴
۲۔تقریظ - حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ	۸
۳۔مقدمہ - حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ	۱۱
۴۔مختصر حالات زندگی	۱۴
۵۔تجدیدی واصلاحی کارنامے	۲۴
۶۔ارلاد واخلاف	۴۱
۷۔کتب ورسائل	۴۵
۸۔بحیثیت مصنف،	۵۲

حدیث دل

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی اشرف الأنبیاء
سید المرسلین خاتم النبیین محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین
وعلی من تبعھم ودعا بدعوتھم الی یوم الدین وبعد!

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شخصیت، سیرت، کارناموں اور ان کے علوم ومعارف پر اتنا کام کیا جاچکا ہے، کہ اس کے بعد ان کی نابغۂ روزگار شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں رہ جاتی۔ مدارس وتحریکات ان کی ذات گرامی کی طرف انتساب کرکے فخر واعزاز کی بات محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ بات اعتماد واستناد کا سبب بھی بنتی ہے۔ تصوف واحسان کے حلقے بھی ان سے جاملتے ہیں۔ علمی سلسلوں کی ایک اہم کڑی بھی آپ کی شخصیت ہوا کرتی ہے۔ بارہویں صدی ہجری کی اس مجدد علوم وفنون شخصیت اور تعلیم وتربیت اور دعوت وفکر اسلامی کا صحیح رُخ متعین کرنے والی شخصیت شجر سایہ دار کی طرح آج بھی اپنے سایہ میں لوگوں کو پناہ دے رہی ہے۔ اور اس کا پھل برابر نکل رہا ہے، مگر ایسا ضروری نہیں ہوتا کہ جس درخت کا سایہ لیا جارہا ہو اور پھل کھایا جارہا ہو اس کا تعارف بھی حاصل کیا جاچکا ہو، ایک بڑی تعداد ناواقف ہی رہتی ہے، حضرت شاہ صاحب کی شخصیت کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا، اور آج بھی ایک بڑا طبقہ ان سے ناواقف ہے۔ محسن سے ناواقفیت جذبۂ احسان مندی کے فقدان کا پتہ دیتی ہے وہ ملت کے ایسے محسن ہیں جنھیں فراموش نہیں کیا جاسکتا، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی نے ان کی شخصیت اور خدمات کے تعارف کا ایک طریقہ یہ نکالا کہ ان بتائے ہوئے خطوط کی روشنی میں عمل

کر کے نمایاں مقام حاصل کرنے والوں کو ان کی خدمات پر ہر سال انہیں ایک ایوارڈ دیا جائے اس کے لئے آبجیکٹیو اسٹڈیز کے ذمہ داروں، جن میں ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب کا نام پیش پیش ہے، نے یہ مفید سلسلہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا کہ جس میں نئی نسل کے طالبین علم ورشد کے لئے حوصلہ وجذبہ کا بڑا سامان بھی ہے۔ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ جہت وقد آور شخصیت کا اس کے لئے انتخاب کر کے ان کو ایوارڈ دیئے جانے سے اس سلسلہ کا آغاز کرنا چاہا، مگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء کو سانحۂ ارتحال پیش آ گیا، اس کے بعد یہ طے پایا کہ پہلا شاہ ولی اللہ ایوارڈ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہی کے نام رہے گا اور اسکی حیثیت اب پس از مرگ ایوارڈ کی ہوگی، جسے ان کے جانشین اور خواہر زادے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی وصول فرمائیں گے۔ اس کے لئے اس ایوارڈ کے شایان شان نئی دہلی میں ایک تقریب بھی منعقد کی گئی۔ اور مولانا نے اس ایوارڈ کو وصول کیا، اس تقریب کے لئے اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا تھا کہ حضرت شاہ صاحب سے متعلق ایک کتابچہ بھی لوگوں میں تقسیم کیا جائے، جس میں ان کی شخصیت اور کارناموں کا خلاصہ آجائے، آبجیکٹیو اسٹڈیز کے ذمہ داروں نے اس کے لئے اس درجہ اہتمام کیا کہ ملک کے مختلف اہل قلم اور شاہ صاحب کی فکر ومشن سے مناسبت رکھنے والے حضرات سے الگ الگ تقاضہ کیا، اور بعض لوگوں پر اس کی ذمہ داری بھی ڈالی جن میں خصوصیت سے محترمی پروفیسر ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی ندوی، ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی اور خال محترم مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے نام قابل ذکر ہیں۔

خال محترم مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب (اطال اللہ بقاءہ) نے مجھ بے بضاعت کو حکم دیا کہ وہ اس ذمہ داری کو اس طور پر انجام دے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (جن سے اس سلسلہ کا آغاز ہو رہا ہے) کی ہی معرکۂ آراء تصنیف تاریخ دعوت وعزیمت کے حصۂ پنجم جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شخصیت، سیرت، کمالات اور کارناموں سے متعلق ہے کی ایک جامع تلخیص کر کے اس موقع پر پیش کر دے، راقم نے

تعمیل حکم میں یہ کام عین اپنی سعادت سمجھ کر انجام دیا(۱)۔اور پھر یہ کام ان کے حوالہ کر دیا، بعد میں جد محترم و معظم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی صاحب مدظلہم سکریٹری مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ نے اس کو ملاحظہ فرمایا تو انہوں نے ازراہ شفقت اس کو شائع کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اور ان کے ہی ایماء پر ہم نے اپنے وقت کی دو اہم اور عظیم شخصیتوں، جد مخدوم ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی مکی رحمۃ اللہ علیہ۔ کہ جواب اپنے مالک حقیقی کے حضور پہونچ چکے ہیں، کی خدمت میں مقدمہ وتقریظ کے لئے اس رسالہ کو پیش کیا۔ جن کے مقدمہ وتقریظ کے ساتھ اب یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے اور ممتاز معلمین اخلاق وسیرت کی کہی ہوئی بات ہے کہ سیرت سازی میں یہ بات بڑی مؤثر ہوا کرتی ہے کہ ان شخصیتوں میں سے جو گذر گئی ہیں کسی معروف ومستند شخصیت کو آئیڈیل بنالیا جائے اور ان شخصیتوں میں سے جو سامنے ہیں کسی ایک کو آئیڈیل بنایا جائے تو پھر ایسا شخص ضائع نہیں ہوتا۔ زندہ لوگوں سے متعلق میں کچھ عرض کرنے کی جسارت نہیں کروں گا، البتہ گذر جانے والی شخصیتوں کے تعلق سے یہ بات عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ اس کے لئے دو نام (خصوصاً طالبین علم ورشد کے لئے) کلیدی حیثیت رکھتے ہیں ایک حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۱۴ھ - ۱۱۷۶ء) کا کہ جن سے متعلق یہ رسالہ ہے، دوسرا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (۱۳۳۲ھ - ۱۴۲۰ھ) کا ہے کہ جن کی کتاب کی یہ تلخیص ہے، اور خود آں موصوف نے بھی اپنے لئے انہی کو آئیڈیل بنایا تھا۔

اس امید میں کہ شاید یہ کتاب اس اہم کتاب کے مطالعہ کا سبب بن جائے جس کا یہ اختصار وتلخیص ہے اور پھر یہ کہ حضرت شاہ صاحب کو آئیڈیل بنا کر زندگی کو کام میں لانے کا ذریعہ بن جائے کہ جو موضوع کتاب ہیں اور یہ کہ دین وشریعت اور اس کے اسرار وحکم سے

---

(۱) میرٹھ کے اہم عالم دین مفتی محمد فاروق صاحب مہتمم جامعہ محمودیہ میرٹھ نے بھی ایک جامع اختصار مرتب کیا ہے جو شائع بھی ہو چکا ہے۔(م)

واقفیت حاصل کرنے کا حوصلہ وجذبہ کا محرّک بن جائے جس کی ضرورت روز افزوں بڑھتی ہی جارہی ہے، یہ اختصار وتلخیص پیش خدمت ہے۔ ہمارے لیے سعادت اور عزت وشرف کی بات ہے کہ مولانا علی میاں اکیڈمی رائے بریلی اس کو شائع کررہی ہے جو جامعہ فلاح المسلمین، امین نگر، رائے بریلی کا اشاعتی اور تحقیقی ادارہ ہے، ناظم فلاح المسلمین امین نگر مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی صاحب مدظلہم نے جامعہ کے سرپرست حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہم کے مشورہ سے اس ادارہ کے قیام کا چند دن قبل ماہ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ میں فیصلہ کیا اور ۹ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ کو اس کے دفتر کا افتتاح عمل میں آیا اور سیرت نبوی سے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے تین الگ الگ مضمون کو ترتیب دے کر ''منصب رسالت'' کے نام سے سلسلۂ اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ اب یہ دوسرا رسالہ بھی حضرت مفکر اسلام نور اللہ مرقدہ کی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت حصہ پنجم (تذکرہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کی تلخیص ہے اور الفرقان لکھنؤ کے شاہ ولی اللہ نمبر سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اہم مضمون کو بھی اس کے ساتھ شامل کرلیا گیا ہے جواب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو فلاح المسلمین سے جو تعلق خاطر تھا اور وہاں وہ تشریف لاتے اور کئی کئی دن قیام فرمایا کرتے تھے اور اس کو چھوٹا ندوہ کہتے اور اس طرح دوسرے تشجیعی جملے فرماتے ان کے اس تعلق کے پیش نظر اس علمی واشاعتی ادارہ کو ان ہی کے نام سے معنون کیا گیا، اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ سے زیادہ خیر وجود میں لائے، اور امت کی فکری ودینی رہنمائی کا اس کو بڑا ذریعہ بنائے، وما ذلك على الله بعزيز.

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس معمولی خدمت کو قبولیت بخشے اور راضی ہو۔

محمود حسن حسنی ندوی

دائرہ حضرت شاہ علم اللہ، رائے بریلی

جمعہ

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

تقریظ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبعد!

امام احمد بن عبدالرحیم ولی اللہ الدہلوی کی شخصیت برصغیر میں وہ عظیم شخصیت گذری ہے کہ امت مسلمہ کے کسی حصہ میں اجتماعی وانفرادی زندگی کے راہ حق سے ہٹ جانے اور بڑا بگاڑ پیدا ہوجانے کے حالات عام ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری پوری صدی میں اس جیسی کسی ایک کو یا کسی کو وقت کی ضرورت اور اجتماعی وانفرادی زندگی کو اس کے جادۂ حق پر واپس لانے کے لئے کھڑا کردیا جاتا ہے، حضرت شاہ صاحب نے برصغیر کی گذشتہ تاریخ میں وہ زمانہ پایا تھا جس زمانہ میں مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی دونوں طرح کی زندگی میں بڑا بگاڑ اور شریعت حقہ سے بہت انحراف پھیل گیا تھا، جس کی طرف توجہ دلانے اور اسکی اصلاح کے لئے فکر کرنے اور ممکنہ تدابیر اختیار کرنے کا کام اللہ تعالیٰ نے جن افراد کے ذمہ کیا ان میں شاہ ولی اللہ صاحب کا نام سرفہرست آتا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے زندگی کے حقائق کو سمجھنے، اور اس میں پیدا ہونے والے بگاڑ کا اندازہ لگانے کی غیر معمولی صلاحیت عطا فرمائی تھی، یہ صلاحیت ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے صحیح استفادہ کرنے کے ذریعہ عطا ہوتی تھی، چنانچہ معاشرہ میں پیدا ہوجانے والے بگاڑ کے تدارک کی تدابیر کو قرآن وحدیث کی روشنی میں متعین کرنے اور ان کو اختیار کرنے کے لئے جو بہتر سے بہتر رہنمائی ہوسکتی تھی، انہوں نے انجام دی اس اہم کام کو انہوں نے اپنے قلم اور زبان سے انجام دیا، اور اس کے

لیے اپنے بعد کی نسل کی تربیت وتشکیل بھی اس انداز کی کی جس سے یہ کام جاری رہے، انہوں نے ایسے بگڑے حالات میں توضیح اور تفہیم کا جو عمل اختیار کیا تھا، اس کو ان کی غیر معمولی فکری وعلمی سرمایہ کی حامل تصنیفات سے حاصل کیا جاسکتا ہے، اور پھر ان کے بعد والی نسل کے ان سے وابستہ اور قریب رہنے والے لوگوں کے کاموں سے جن کو ان کے سرمایۂ علم وفکر سے پورا استفادہ کرنے کا موقع ملا، سمجھا جاسکتا ہے۔

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے جو نہج اختیار کیا اور جو علمی خاکہ اپنے بعد کے آنے والوں کے سپرد کیا اس کے ذریعہ برصغیر کے بہت بگڑ جانے والے ماحول اور معاشرہ کو درست کرنے کے کام میں بڑی مدد ملی۔ اور اس وقت تک امت کے اہل علم اور اصلاح حال کا کام کرنے والے ان کے نہج اور طریقۂ کار سے کسی نہ کسی حد تک فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اس کے مطابق کام انجام دے رہے ہیں، اس طرح سے برصغیر میں ان کے فکر ان کے علم وبصیرت کے سرمایہ سے فائدہ اٹھانے کا سلسلہ جاری ہے۔

شاہ صاحب نے اپنی علمی تحقیقات اور تشریحات کا جو سرمایہ چھوڑا ہے، ان سے موجودہ حالات میں بڑی رہنمائی لی جاسکتی ہے، اور ذہنوں کو صحیح رُخ دینے میں اُن سے بڑی مدد لی جاسکتی ہے، ان کی شخصیت اور ان کے فکر وعمل کے رہنما پہلوؤں پر لوگوں نے مستقل تصنیفات تیار کی ہیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے شاہ صاحب کے سرمایۂ علمی کو توجہ سے پڑھا اور اس کی اہمیت اور قدر کا پورا احساس کیا، اپنی تاریخ دعوت وعزیمت کی پوری ایک جلد ان کی شخصیت پر تیار کی، جو ان کے سلسلۂ تاریخ دعوت وعزیمت کی پانچویں جلد بنی، جو حضرات فکر ودعوت کے میدان عمل میں ہیں یہ ان کے پڑھنے اور فائدہ اٹھانے کے لئے بہترین تحفہ ہے، وہ بڑی تختی پر چار سو صفحات سے زائد پر مشتمل ہے، بعض لوگوں کا خیال ہوا کہ اس ضخامت کی کتاب کو ہوسکتا ہے کہ کچھ شائقین پڑھنے کے لئے وقت نہ نکال سکیں لہٰذا ان کے لئے اس کا ایک مختصر بھی قارئین کو حاصل ہوجائے، تو اچھا ہے، اس طرح مختصر وقت والے حضرات بھی فائدہ اٹھا

سکیں گے، چنانچہ اس کام کا بیڑا عزیزی مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی نے اٹھایا، جو مولانا کے نواسہ و پوتے بھی ہوتے ہیں اور مولانا کے علمی اور دعوتی ماحول میں ان کو نشو ونما حاصل ہوا ہے، انہوں نے اس کام کو اچھے انداز میں انجام دیا، اور کتاب کا ایک مختصر تیار کر دیا، اس کا کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی شخصیت اور کام سے ضروری حد تک تعارف حاصل ہو جاتا ہے، یہ تعارف اس بات کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے کہ شاہ صاحب کے علم وفکر سے فائدہ اٹھانے کا شوق بڑھے، اور ان کا وسیع اور گہرا مطالعہ کرنے کی راہ اختیار کی جائے، موجودہ تیز رو اور مشغول زندگی میں اس طرح کے مختصرات کی بھی اچھی افادیت ہوتی ہے، اور وہ مزید مطالعہ کے ذریعہ بن جاتے ہیں، اس لحاظ سے میں اس کام کو اس طرح کی اہمیت کے لحاظ سے بھی دیکھتا ہوں، اور اس کی افادیت کی پوری توقع رکھتا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور جزائے خیر دے۔

۲۴ رذی قعدہ ۱۴۲۶ھ

محمد رابع حسنی ندوی

دائرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی، رائے بریلی

مقدمہ

(تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ)

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ

پیش نظر کتاب نایاب ونادر تو نہیں لیکن گرانمایہ وگرانقدر علمی ودینی تحفہ ضرور ہے، اور یہ تذکرہ جس برگزیدہ شخصیت کا ہے وہ خود بیشک نایاب اور نادر تھی اور تاریخ اسلام میں ان کا مقام گرانمایہ وگرانقدر تھا، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنے وقت ہی کے نہیں بلکہ اپنے علمی ودینی کاموں میں اجتہادی شان رکھتے تھے ان کے بصیرت افروز نظریات آج بھی علم وفکر کی امامت کررہے ہیں، حکیم الاسلام کا لقب ان کو زیب دیتا ہے، ان کی تصنیفات میں سے کوئی کتاب ابھی تک پرانی یا بوسیدہ نہیں ہوئی ایک بڑی تعداد میں بڑے بڑے فاضلوں نے ان پر تحقیقی کام کئے ہیں، ان کی سوانح کو اجاگر کرنے کے لئے مختلف گوشوں پر کام ہوئے ہیں، بہت سی تالیفات کے ابتدائیہ میں شارحین نے ان کی سوانح حیات کے اہم حصے نقل کئے ہیں، ان کی علمی شہرت اور تسلیم شدہ دینی عظمت کی بناء پر بہت سے مصنفین نے اپنی بات ان کی طرف منسوب کرکے پیش کی اور اس معاملہ میں وہ بات بھی دیکھی گئی جو قرآن کریم کے ساتھ تلاعب کرنے والوں نے اپنا کمال فن اس طرح دکھلایا کہ بات اپنی کہی اور منسوب کردیا شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی طرف، امام ابن تیمیہؒ نے اپنے عصر کے بعض مفسرین کے بارے میں لکھا تھا کہ "قوم رأوا رأیاً وحملوہ علی القرآن ظلماً" اسی طرح بعض وہ لوگ جو اپنے کو اہل قرآن کہتے ہیں اور شاہ صاحب کی زبان بھی نہیں سمجھتے اپنے بعض نظریات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کرتے رہتے ہیں۔

شاہ صاحب نے ۶۲ سال کی عمر پائی اور اپنے پیچھے دین اور شریعت کی خدمت کرتے رہے، پیش نظر رسالہ اس شخصیت کی علمی کاوش کا نتیجہ ہے جس کے سینہ میں شاہ ولی اللہ کا دل تھا، اور مجدد الف ثانی کا دماغ تھا، اور جس کی رگوں میں سید احمد شہید کا خون گردش کر رہا تھا، انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کی زندگی اور تعلیمات سے متعلق جا بجا تحریر کیا ان کو یکجا کیا گیا تو ایک رسالہ بن گیا، ان بکھرے ہوئے لعل و جواہر کو ایک کتابی قلادہ میں اسی خانوادۂ علم الٰہی اور سید احمد شہیدؒ کی خاندانی نسبت رکھنے والے نوجوان نے ڈھالنے کی کوشش کی ہے، عزیزی مولوی محمود حسن صاحب سلمہٗ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی آغوش تربیت میں پلے ہیں، قرآن کی معجزاتی تعبیر میں ''ولتصنع علی عینی'' کا مصداق یہ عزیز محمود حسن سلمہٗ ہیں، جو حضرت کے حقیقی بھانجے مولانا محمد الرابع کے بڑے مرحوم بھائی مولانا محمد الثانی کے نواسے ہیں، دادیہال بھی اسی خاندان کی شاخ ہے، اور نانیہال کی ثروت بھی ان کو بھرپور ملی، ماشاء اللہ ولاقوۃ الا باللہ۔

عزیز موصوف نے حضرت ہی کی تصنیف تاریخ دعوت وعزیمت کی پانچویں جلد جو کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے تذکرہ واحوال اور مآثر وخدمات پر مشتمل ہے کی جامع تلخیص کی ہے۔ اس کتاب میں اختصار کے ساتھ وہ سب کچھ آ گیا ہے جس کی ایک مصنف کو تلاش ہو سکتی ہے۔ خصوصیات ولی اللہی کے بیان میں یہ ایک کامیاب دستاویز ہے، شاہ صاحب کی علمی خصوصیات کا جوہر ایک سطر میں نکال کر رکھ دیا ہے کہ ''جہاں تک مقاصد واسرار شریعت اور تطبیق بین الفقہ والحدیث کا تعلق ہے کئی صدیوں سے اس مقام تک کوئی نہیں پہونچا تھا جہاں حضرت شاہ صاحب اپنی تیس سال کی عمر میں پہونچ گئے تھے، جب کہ وہ حجاز میں علمائے حدیث سے استفادہ کر رہے تھے''۔

کتاب مختصر ہے مگر اس میں وہ سب کچھ آ گیا ہے جس کی ایک طالب تحقیق کو ضرورت پڑ سکتی ہے، شاہ صاحب کے درس حدیث کی خصوصیات، اور یہ کہ آپ کی قوت یادداشت (حافظہ کی قوت) بے مثال تھی، اسی طرح شاہ صاحب کی خدمات، رد بدعات،

مقاومۃ اہل باطل، رد تشیع، اور غیرت دینی کے متعدد مظاہر، آپ کی کتابوں میں ہویدا ہیں، آپ کے تجدیدی کارناموں کا بیان بھی بغیر تطویل واطناب کے سادہ لیکن بالکل سچ اس طرح بیان کیا ہے کہ شاہ صاحب سے پڑھنے والے کو محبت پیدا ہو جائے، توحید کے عقیدہ میں شاہ صاحب کی سرگرمی (غلو نہیں کر رہا ہوں) جو حق بجانب تھی، بے مثال تھی، اس کتاب میں اس پر جو لکھا ہے، اچھا لکھا ہے، شاہ صاحب کی خصوصیات کو اجاگر کرنے کے بعد آپ کی تألیفات کی مکمل فہرست حروف ابجد کے حساب سے اس کتاب میں جمع کیا ہے۔

کتاب جیسا کہ اوپر کئی بار عرض کیا مختصر ہے لیکن جامع ہے اور دین سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہوگی، انشاء اللہ، مولانا محمود حسن أحسن اللہ الیہ قابل مبارکباد اور مستحق دعا ہیں۔

عبداللہ عباس ندوی

مکہ مکرمہ

۲۰۰۵/۵/۲۹ء

مختصر حالات زندگی

اَللّٰھُمَّ آتِنِیْ بِفَضْلِكَ أَفْضَلَ مَاتُؤْتِیْ عِبَادَكَ الصَّالِحِیْنَ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ
بِاِحْسَانٍ وَّدَعَا بِدَعْوَتِہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ وَبَعْدُ!

ولادت

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) سے چار سال پہلے چہار شنبہ کے دن ۴ رشوال ۱۱۱۴ھ کو اپنے نانیہال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر (یوپی) میں ہوئی، تاریخ ولادت عظیم الدین سے نکلتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم کی عمر ساٹھ سال تھی، شاہ عبدالرحیم صاحب کو اس مبارک فرزند کی ولادت سے پہلے بہت سے مبشرات نظر آئے تھے، والدہ صاحبہ مخدومہ فخر النساء علوم دینیہ میں ایسا درک رکھتی تھیں جس کا خواتین کو بہت کم موقع اور شرف حاصل ہوتا ہے، والد ماجد شاہ عبدالرحیم نے ولی اللہ نام رکھا اور دوسرا نام خواجہ قطب الدین بختیار کعکیؒ (۱) کے تعلق

(۱) حضرت خواجہ بختیار کعکی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی بانی سلسلہ چشتیہ وفاتح ہند کے محبوب خلیفہ تھے انہوں نے ہندوستان آکر اجمیر (راجستھان) میں طرح اقامت ڈالی تھی جو پرتھوی راج کا پایہ تخت تھا، اور دہلی جو ہندوستان کا قلب تھا اور پرتھوی راج کا دوسرا پایہ تخت وہاں اپنے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کعکی کو ہدایت خلق کے لیے مبعوث کیا، ان دونوں شخصوں نے اپنے انفاس قدسیہ اور اخلاق حسنہ سے وہ اثر چھوڑا کہ یہ ملک ہند مسلمان سلاطین کے زیر نگیں آگیا، سلطان شہاب الدین غوری اور ان کے سپہ سالار اعظم قطب الدین ایبک گولا و لشکر کے ساتھ آئے لیکن دلوں کے فتح ہوجانے سے زمین کو فتح کرنے میں انہیں دشواری پیش نہیں آئی، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت صحیح لکھا ہے۔

سے قطب الدین احمد تجویز کیا۔

خاندان

شاہ صاحب کا خاندان فاروقی النسب ہے، ان کے اجداد میں سب سے پہلے ہندوستان میں اقامت اختیار کرنے والے بزرگوار شیخ شمس الدین مفتی ہیں، جو اس خاندان میں سب سے پہلے رُہتک آئے، اور طرح اقامت ڈالی، ان کے ایک بھائی ساگر حسام الدین تھے، ان کی اولاد میں شاہ ارزانی بدایونی ایک بزرگ گزرے ہیں۔

شجرۂ نسب اس طرح ہے

''شاہ ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قاذن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین بن مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ماہان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب''۔

شاہ صاحب کے دادا شیخ وجیہ الدین شہید میں تقویٰ اور شجاعت کی دونوں صفتیں جمع تھیں، کھانے پینے میں بڑے محتاط تھے، یہاں تک کہ فاقوں کو برداشت کرتے، شجاعت و بہادری کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ انھوں نے تین جنگ آزما مبارز طلبوں کو جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے زیر کیا، لیکن ایک دوسرے موقع پر حملہ آوروں کی زد میں آکر ۲۲ زخم کھا کر کہ آخری زخم میں سر مبارک جسد سے جدا ہو گیا تکبیر زبان پر جاری تھی دشمنوں کا تعاقب کرتے ہوئے ایک جگہ گرے اور شہید ہو گئے۔

شاہ صاحب کے نانا حضرت شیخ محمد پھلتی تھے، ان کے خاندان کا وطن اول سدھور ضلع بارہ بنکی ہے، سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں یہ خاندان پھلت منتقل ہوا، شیخ محمد

بذل وسخا، خود شکنی وفنا میں پایہ بلند رکھتے تھے قوی التاثیر وصاحب ارشاد تھے(۱)۔

چچا شیخ ابوالرضا محمد شیخ وجیہ الدین کے فرزند اکبر تھے، علم میں پختگی، زبان میں فصاحت کے ساتھ ورع وتقویٰ میں امتیازی شان رکھتے تھے، اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے، آپ کی وفات کے تقریباً ۱۳ رسال بعد شاہ صاحب کی ولادت ہوئی۔

والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم تین بھائی تھے۔ شیخ ابوالرضا محمد، شیخ عبدالحکیم اور شاہ عبدالرحیم۔ شاہ عبدالرحیم کا شمار باکمال علماء وفضلاء وعارفین میں ہوتا ہے۔ ان کے حالات ایک اعلیٰ روحانی استعداد اور فطری وباطنی کمال پر دلالت کرتے ہیں اور اولیائے متقدمین کی یاد تازہ کرتے ہیں، جن کی استعدادیں نہایت قوی زمانہ نہایت مساعد اور ماحول نہ صرف سازگار بلکہ محرک ومشوق تھا، عقل معاد کی طرح عقل معاش بھی کامل اور وافر طور پر رکھتے تھے۔ ہر معاملہ میں توسط واعتدال کو پسند کرتے تھے، زہد وعبادت میں نہ اتنا تعمق اور غلو تھا کہ رُہبانیت سے اس کے حدود مل جائیں اور نہ اتنی بے تکلفی اور وسعت کہ تساہل تک بات پہونچ جائے، پدر بزرگوار شہید شیخ وجیہ الدینؒ کی وراثت میں مجاہدانہ جذبات اور حمیت اسلامی پورے طور پر موجود تھی، اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کے خاندان والا شان میں نسلاً بعد نسل جہاد وعزیمت کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے پایا تھا۔ غیرت وشجاعت ان کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی۔

۱۲ رصفر المظفر ۱۱۳۱ھ نماز سے فراغت کے بعد ذکر کی حالت میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کا پہلا نکاح اپنے والد کی زندگی میں ہوا تھا جن سے ایک صاحبزادہ صلاح الدین نامی پیدا ہوئے، جو کچھ بڑے ہو کر فوت ہو گئے، دوسرا نکاح

---

(۱) خود شکنی یعنی اپنی ذات کا انکار اور ہمہ وقت اللہ کے فضل پر نگاہ، فنا اور بقا بھی تصوف کی اصطلاحات ہیں اور اس سلسلہ میں بڑی فلسفیانہ موشگافیاں ہوئی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے فیصلوں اور حکموں کے آگے اپنے کو مٹا کر رکھنا، جیسے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے "لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ" اور اللہ کی معیت کا استحضار کہ جیسا کہ ارشاد ہے "وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ" یہی بقا ہے، مشائخ واولیاء میں حضرت خواجہ باقی باللہ پر یہ صفت اس قدر غالب تھی کہ ان کا خطاب "باقی باللہ" پڑ گیا، یہاں تک کہ ان کا اصل نام لوگوں کو یاد نہ رہا "صاحب ارشاد" بھی تصوف کی اصطلاح ہے یعنی ولایت کے اس مقام پر تھے کہ جہاں سے فیض رکتا نہیں جاری وساری رہتا ہے۔ (محمود)

کبرسنّی میں بعض بشارات واشارات غیبی کی بناء پر شیخ محمد پھلتی صدیقی کی صاحبزادی سے ہوا جن سے دو صاحبزادے تولد ہوئے، شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ (۱)۔

والدہ ماجدہ مخدومہ فخر النساء کا حال ان کے برادر زادہ شاہ محمد عاشق پھلتی بیان کرتے ہیں کہ:

''آپ کی والدۂ ماجدہ تفسیر وحدیث جیسے علوم شرعیہ کی عالم، آداب طریقت سے آراستہ پیراستہ، اسرار حقیقت کی معرفت رکھنے والی اور ان وجوہ سے حقیقتاً طبقۂ اناث کے لئے باعث فخر اور اسم بامسمیٰ تھیں۔

جب شاہ صاحب سات سال کے ہوئے تو والد کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے اور ان کے نالۂ نیم شبی اور آہ سحر گاہی سے بہرہ ور ہوئے۔

تعلیم وتربیت

شاہ صاحب کی عمر جب پانچ سال کی ہوئی تو مکتب میں داخل کئے گئے، سات سال کی عمر میں سنت ابراہیمی ادا ہوئی، اور ختنہ ہوا، اور اسی عمر سے نماز کی عادت ڈال دی گئی، اور اس سال کے آخر میں قرآن مجید کے حفظ سے فراغت ہوئی، پھر فارسی کتابیں اور عربی کے مختصرات پڑھنا شروع کئے اور جلد ہی یہ صلاحیت پیدا کرلی کہ بالجملہ مطالعہ کی استعداد پیدا ہوگئی، چودہ سال کی عمر میں بیضاوی کا ایک حصہ پڑھا، پندرہ سال کی عمر میں ہندوستان میں رائج علوم متداولہ سے فراغت کی، اس پر والد صاحب نے خوشی میں بڑے پیمانہ میں دعوت طعام کا نظم کیا۔

والد صاحب کے علوم وفیوض سے شاہ صاحب نے جم کر استفادہ کیا، صحیح بخاری

---

(۱) والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے حالات کے لیے خود حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب ''انفاس العارفین'' ملاحظہ ہو، شاہ عبدالرحیم صاحب کو مجددی فیض حضرت سید عبداللہ محدث اکبرآبادی کے توسط سے حاصل ہوا جو کہ حضرت سید آدم بنوری کے کبار خلفاء میں تھے، مزید انہوں نے حضرت سید آدم بنوری کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلوی (جد امجد امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ) (۱۰۴۳ھ-۱۰۹۶ھ) کی خدمت وصحبت بھی اختیار کی، اور استفادہ کیا اور خلافت سے باریاب ہوئے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تذکرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ از مولانا سید محمد الحسنی مرحوم، مطبوعہ سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی۔

کتاب الطہارت تک، شمائل ترمذی مکمل، تفسیر مدارک و بیضاوی کا کچھ کچھ حصہ پڑھا اور فرماتے کہ خدا کا ایک بڑا انعام یہ ہوا کہ والد صاحب کے درس قرآن میں کئی بار شریک ہوا جس سے معانی قرآن کا ایک دروازہ کھل گیا۔

شاہ صاحب کے پڑھے ہوئے نصاب درس میں تفسیر وحدیث کے علاوہ فقہ، اصول فقہ، علم کلام، تصوف وسلوک، منطق وفلسفہ، طب اور حساب کا بھی ذکر ملتا ہے جس سے انہوں نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا، مگر شاہ صاحب کے بیان کئے ہوئے نصاب درس میں ادب عربی کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی، حالانکہ شاہ صاحب کی عربی تالیفات بالخصوص ''حجۃ اللہ البالغہ'' شہادت دیتی ہے کہ ان کو عربی زبان اور اس میں تحریر وانشاء پر نہ صرف قدرت تھی، بلکہ (خصوصیت کے ساتھ حجۃ اللہ البالغہ میں وہ ایک ایسے طرز واسلوب کے بانی ہیں، جو علمی مضامین ومقاصد کے شرح وبیان کے لئے موزوں ترین اسلوب ہے، اور جس میں علامہ ابن خلدون کے بعد ان کا کوئی ہم پایہ اور ہمسر نظر نہیں آتا، معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے بطور خود عربی ادب اور نثر ونظم کی ان قدیم معیاری کتابوں کا مطالعہ کیا جو سلاست وحلاوت کا نمونہ تھیں، اور پھر یہ کہ حجاز کے قیام نے مزید فائدہ پہونچایا کہ اس عرصہ میں خاص طور پر عربی میں اس عظیم تصنیفی کام کی تیاری کی جس کو تدبیر الٰہی نے شاہ صاحب کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔

صاحب ''الیانع الجنی'' لکھتے ہیں:۔

وقد أقام بالحجاز سنين وزاحم العرب وسمع من أهل البادية وهم يومئذ أحسن حالاً منهم في زماننا.

(حجاز میں کئی سال قیام فرمایا، عربوں سے اختلاط وصحبت رہی اور اہل بادیہ سے جو اس زمانہ کے مقابلہ میں بہتر تھے صحیح وفصیح زبان سنی)۔

شاہ صاحب سے اللہ تعالیٰ کو جو عظیم کام لینا تھا اس کے آثار بچپن سے ہی ہویدا تھے، شاہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ طالب علمی ہی کے زمانہ میں مضامین عالیہ ذہن میں آتے تھے،

جن میں برابر ترقی محسوس ہوتی تھی، والد صاحب کی وفات کے بعد بارہ سال تک دینی کتاب اور عقلی علوم کی کتابیں پڑھانے کی پابندی کی اور ہر علم میں غور وخوض اور اشتغال کا موقعہ ملا۔

والد صاحب کا انداز تربیت

والد صاحب شاہ عبدالرحیم کے یہاں تربیت میں شفقت کا پہلو غالب تھا اور انداز بڑا ہی حکیمانہ ہوتا تھا، ایک روز وہ جب کی ان کی عمر دس، بارہ سال رہی ہوگی، عزیزوں اور دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک باغ کی سیر کو چلے گئے، واپس آنے پر والد صاحب نے فرمایا: ولی اللہ! تم نے اس دن رات میں وہ کیا حاصل کیا جو باقی رہے۔ ہم نے اتنی مدت میں اتنا درود پڑھ ڈالا، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سُن کر میرا دل باغات کی سیر وتفریح سے بالکل سرد ہوگیا، اس کے بعد پھر اس کا شوق نہیں پیدا ہوا۔

آپ کے یہاں اس کی ہدایت تھی کہ جو لوگ مرتبہ میں کم ہوں ان سے ہمیشہ سلام میں سبقت کی جائے، اور خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے، اور ان کا حال چال معلوم کیا جاتا رہے، اور اپنی کسی خواہش کی تکمیل میں صرف لذّت جوئی مقصود نہ ہو، اس میں کسی ضرورت کی تکمیل، کسی فضیلت کا حصول یا ادائے سنّت مقصود ہونی چاہئے، اسی طرح چال ڈھال، نشست وبرخاست، کسی سے ضُعف یا کسل مندی کا اظہار نہیں ہونا چاہئے۔

۱۴ سال کی عمر میں والد صاحب نے اپنے اس ہونہار فرزند کو سلسلہ میں داخل کرلیا تھا اور بیعت فرما کر توجہ وتلقین کے ساتھ آداب طریقت کی تعلیم دی، اور مرض وفات میں جب کہ شاہ صاحب کی عمر سترہ سال کی تھی، بیعت وارشاد کی اجازت بار بار یہ فرما کر دی کہ "یدہ کیدی" (اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی طرح ہے)۔

ابھی شاہ صاحب کی عمر چودہ سال کی ہی تھی کہ والد ماجد شاہ عبدالرحیم نے ان کے ماموں شیخ عبیداللہ صدیقی پھلتی کی صاحبزادی سے ان کا نکاح کردیا، سسرال والوں نے مہلت چاہی تو فرمایا کہ اسی میں مصلحت ہے بعد کے حالات نے یہ ثابت کردیا کہ اگر

اس زمانہ میں شادی نہ ہوتی تو اس کو بہت دنوں کے لئے ملتوی کرنا پڑتا۔ ان زوجہ سے بڑے صاحبزادہ شیخ محمد (متوفی ۱۲۰۸ھ) پیدا ہوئے۔

عقد ثانی

شاہ صاحب کا دوسرا عقد پہلی اہلیہ کی وفات کے بعد سید ثناء اللہ سونی پتی کی صاحبزادی بی بی ارادت سے ہوا، جو سیدنا صرالدین شہید (ش ۱۲ محرم ۱۱۴۷ھ) کی اولاد میں تھے، ان زوجہ محترمہ سے آپ کے چاروں نامور صاحبزادے (حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر و شاہ عبدالغنی) تولد ہوئے، جو ہندوستان میں دین کی نشاۃ ثانیہ کے ''ارکان اربعہ'' ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ، اور ایک صاحبزادی امۃ العزیز پیدا ہوئیں۔

سفر حج و قیام حجاز

شاہ صاحب کی علمی فکری اور دعوتی و تجدیدی زندگی میں حجاز مقدس کا سفر اور قیام ایک تاریخ ساز واقعہ اور ان کی کتاب زندگی کا ایک نیا باب اور حد فاصل ہے حجاز کے اس طویل قیام میں جو ایک سال سے زیادہ رہا ان کے ملکاتِ ذہنی و علمی نے ارتقاء کے وہ منازل طے کئے جو بظاہر ہندوستان میں ممکن نہ تھے اور اس کے لئے حرمین ہی جیسی مرکزی و عالمی جگہ درکار تھی اسی سفر میں انہوں نے علم حدیث کا وسیع اور گہرا مطالعہ اور اس کے شیوخ کاملین سے جو وہاں مختلف علاقوں و ملکوں سے وہاں جمع ہوئے تھے اس فن شریف کی تکمیل کی۔ جس سے وہ تحقیق و اجتہاد کے اس مقام تک پہنچے جس پر ان آخری صدیوں نے کم لوگ اور جہاں تک مقاصد و اسرار شریعت اور تطبیق بین الفقہ والحدیث کا تعلق ہے کئی صدیوں سے کوئی نہیں پہنچا تھا۔

اس مبارک سفر کے وقت شاہ صاحب کی عمر تیس سال تھی اور یہ سفر انہوں نے ان حالات میں کیا کہ اس وقت کے سیاسی حالات راستوں کے امن و امان کی کیفیت بری و بحری خطرات اور لوٹ مار، قتل و غارتگری کے واقعات کی کثرت کے پیش نظر یہ سفر ان کی

عالی ہمتی، شوق علم اور حرمین شریفین سے قلبی وابستگی کی روشن دلیل ہے اور یہ جذبہ بھی کارفرما نظر آتا ہے کہ وہ عالم اسلام کے اس قلب و مرکز اور دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے وفود الاسلام وضیوف الرحمان کے علوم و معارف، عقول و اذہان اور تجربات و مساعی سے فائدہ اٹھائیں پھر وہ ہندوستان آکر حفاظت دین اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے عروج واستقلال کے لئے کام کریں۔ شاہ صاحب ''الجزء اللطیف'' میں لکھتے ہیں ''کہ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے شوق کا غلبہ ہوا ۱۱۴۳ھ کے آخر میں حج سے مشرف ہوا، ۱۱۴۴ھ تک بیت اللہ کی مجاورت کی اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوا شیخ ابوطاہر مدنی نے خرقہ پہنایا جو غالباً صوفیاء کے تمام خرقوں کا جامع ہے اس سال ۱۱۴۴ھ کے اختتام پر دوبارہ مناسک حج ادا کئے ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں ہندوستان روانہ ہوا اور ۱۰؍رجب المرجب ۱۱۴۵ھ کو جمعہ کے دن صحت وسلامتی کے ساتھ اپنے مستقر دہلی پر پہنچا۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب جب مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے لگے تو استاد محترم سے عرض کیا اور وہ یہ سنکر خوش ہوئے کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا سوائے علم دین وحدیث کے، شاہ صاحب نے شیخ ابوطاہر مدنی کے علاوہ شیخ تاج الدین قلعی حنفی مفتی مکہ سے جن کی اکثر تعلیم شیخ عبداللہ بن سالم مصری سے ہوئی تھی حدیث کی تعلیم حاصل کی اور حافظ حدیث شیخ محمد بن محمد ابن سلیمان المغربی کے صاحبزادے شیخ محمد وفداللہ سے بھی حدیث کی تعلیم لی اور ''موطا یحییٰ بن یحییٰ'' کاملاً ان سے پڑھی۔

شاہ صاحب کے لئے حرمین میں رہ کر کے درس وافادے کے آسان مواقع تھے اور وہاں بیٹھ کر دنیا کے گوشوں گوشوں سے آنے والے طالبین علم اور علماء کو مستفید کرنے پھر حرمین شریفین اور جوار نبوی کی برکت وسعادت کے حصول کے مواقع تھے لیکن آپؒ نے ہندوستان کی واپسی کا وہ فیصلہ کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے وہ خیر مقدور فرما رکھی تھی جس کا آپ کے تجدیدی واجتہادی کارنامے میں ظہور ہوا۔

شاہ صاحب کا درس حدیث

حجاز سے واپسی پر اپنے والد صاحب کے مدرسے ''مدرسہ رحیمیہ'' دہلی میں درس شروع کر دیا اور چند ہی دنوں میں اطراف واکناف سے طلبہ کھنچ کھنچ کر پہنچنے لگے آخر جگہ ناکافی ہوگئی اور محمد شاہ بادشاہ نے شاہ صاحب کو شہر میں ایک عالی شان مکان دے کر درس وافادے کے لئے بلالیا جسے ایک دارالعلوم کی حیثیت حاصل ہوگئی اور دور دور اس کی شہرت ہوگئی عرب وعجم کے لوگ اس مدرسہ میں رہتے تھے اور فائدہ حاصل کرتے تھے۔

بعض خصائص ومعمولات

شاہ صاحب کو اللہ نے جو مقبولیت ومحبوبیت عطا فرمائی وہ بڑی کمیاب ہے ان کے بعض خصائص ومعمولات کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے جو ان کے فرزند اکبر شاہ عبدالعزیز صاحب کے بیان کردہ ہیں وہ کہتے ہیں۔

''میں نے اپنے والد ماجد کا جیسا قوی الحفظ نہیں دیکھا سننے کا انکار تو نہیں کرسکتا لیکن مشاہدہ میں نہیں آیا علوم وکمالات کے ماسواء ضبط اوقات میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ اشراق کے بعد جو نشست رکھتے تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھجاتے نہ تھوکتے۔ ہر فن میں ایک ایک آدمی کو تیار کر دیا تھا اس فن کے طالب کو اسی کے سپرد فرمادیتے اور خود بیان حقائق ومعارف اور ان کی تدوین وتحریر میں مصروف رہتے حدیث کا مطالعہ اور درس فرماتے تھے جس چیز کا کشف ہوتا تھا اس کو لکھ لیتے تھے، بیمار بہت کم ہوتے تھے جد بزرگوار اور عم محترم (جو طبیب تھے) لوگوں کا علاج کرتے تھے، والد صاحب نے اس شغل کو موقوف کیا البتہ طب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے طبیعت میں بچپن سے نظافت ولطافت تھی اشعار صوفیانہ کم پڑھتے کبھی کبھی ضرور کوئی شعر پڑھتے''۔

وفات

آخر وہ وقت بھی آگیا جس سے نہ کوئی نبی مستثنیٰ رہا ہے، نہ کوئی ولی، نہ مجدد نہ مجاہد،

۱۱۷۶ھ شروع ہوا تھا، محرم کی آخری (۲۹) تاریخ تھی کہ یوم موعود آپہونچا اور حضرت شاہ صاحب نے مختصر علالت کے بعد باسٹھ سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیر باد کہا۔

چیست ازیں خوب تر در ہمہ آفاق کار
دوست رسد نزد دوست یار بہ نزدیک یار

علالت اور واقعۂ وفات کی تفصیلات جو کچھ ملتی ہیں وہ حضرت سید محمد نعمان حسنی (عم محترم حضرت سید احمد شہیدؒ) کے اس مکتوب سے ملتی ہیں جو انہوں نے شاہ صاحب کی وفات کے عین بعد شاہ صاحب کے شاگرد خاص اور خاندان علم اللّٰہی کے ممتاز فرزند حضرت شاہ ابوسعید حسنی (جد مادری حضرت سید احمد شہید قدس سرہ) کو دہلی سے تحریر کیا تھا، آخری مجالس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"مشفق من! یہ آخری مجلسیں عجب پر فیض مجلسیں تھیں ملائکہ وارواح طیبہ کا برابر نزول محسوس ہوتا تھا، نفحات انس ورحمت اور رشحات قدس وبرکت بارش کی طرح برستے تھے، اکثر اہل نسبت احباب اپنے وجدان صحیح سے اس کو محسوس کرتے تھے، واحسرتا! اہل اللہ اور عارفین ہر زمانہ میں ہوتے ہیں مگر ایسا مرد حقانی جو ایک طرف اوصاف حمیدہ کا جامع ہو، دوسری طرف کتاب وسنت کے علم میں مجتہد مطلق کا درجہ رکھتا ہو، حقائق ومعارف کا بحر مواج اور دیگر علوم کا دریائے فیاض ہو، کہیں صدیوں میں پیدا ہوتا ہے"۔

شاہ صاحب کی وفات ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ بروز شنبہ (۲۱ اگست ۱۷۶۲ء) بوقت ظہر ہوئی، تدفین دلی دروازہ کے بائیں جانب اس مقام پر ہوئی جو مہندیاں کہلاتا ہے، اس قبرستان میں پدر بزرگوار شاہ عبدالرحیم مدفون ہیں اور بعد میں شاہ صاحب کے چاروں صاحبزادگان یہیں مدفون ہوئے۔

تجدیدی واصلاحی کارنامے

شاہ صاحب سے اللہ تعالیٰ نے تجدید واصلاح امت، دین کے فہم صحیح کے احیاء، علوم نبوت کی نشر واشاعت اور اپنے عہد وملت کے فکر وعمل میں ایک نئی زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا جو عظیم الشان کام لیا اس کا دائرہ اتنا وسیع اور اس کے شعبوں میں ایسا تنوع پایا جاتا ہے کہ جس کی نظیر دور دور نہیں ملتی، اور ان سب کا احتواء اور تفصیلی وتحلیلی جائزہ لینا کسی بھی مؤرخ اور سوانح نگار کے لئے ایک مشکل امر ہے، اگر ہم ان کو علیٰحدہ علیٰحدہ بیان کریں تو ان کے حسب ذیل عنوانات ہوں گے۔

۱۔ اصلاح عقائد ودعوت الی القران۔

۲۔ حدیث وسنت کی اشاعت وترویج اور فقہ وحدیث میں تطبیق کی دعوت وسعی۔

۳۔ شریعت اسلامی کی مربوط ومدلل ترجمانی اور اسرار ومقاصد حدیث وسنت کی نقاب کشائی۔

۴۔ اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافت راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات اور رد رفض

۵۔ سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں شاہ صاحب کا مجاہدانہ وقائدانہ کردار۔

۶۔ امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوت اصلاح وانقلاب۔

۷۔ علمائے راسخین اور مردان کار کی تعلیم وتربیت جو ان کے بعد اصلاح امت اور اشاعت دین کا کام جاری رکھیں۔

اصلاح عقائد ودعوت الی القرآن

ہم پہلے اصلاح عقائد ودعوت الی القرآن کے عنوان کو لیتے ہیں، کہ تجدید دین واصلاح کا کام کسی دور اور کسی ملک میں شروع کیا جائے تو اس کو اوّلیت حاصل ہوگی، اور اس کے بغیر احیائے دین وملت کی جو کوشش بھی کی جائے گی وہ نقش بر آب اور عمارت بے اساس ہوگی، یہ ایک حقیقت ہے جو نائبین انبیاء اور علمائے ربانیین، مجددین اسلام کا طرز عمل اور ترتیب کار ثابت ہو چکی ہے۔

اور جہاں تک عقیدۂ توحید کا تعلق ہے تو اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار عقیدہ پر زور اور اصرار اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر لینے کی تاکید ہے، اور اللہ تعالیٰ کا اس امت کے ساتھ جو خصوصی رابطہ اور تائید ونصرت، رضا ومحبت، اور غلبہ وعزت کا جو مؤکد وعدہ ہے، وہ محض عقائد صحیحہ، ایمانی صفات وخصوصیات اور خاص طور پر خالص اور بے آمیز عقیدۂ توحید کی بنیاد پر ہے۔

شاہ صاحب کے زمانہ میں غیر مسلموں کے اثرات، قرآن وحدیث سے ناواقفیت اور دوری اور نتائج وخطرات اور عوام کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی سے آنکھیں بند کر کے مؤثر کوشش کے طویل خلا نے ہندوستان میں جو صورت حال پیدا کر دی تھی، وہ زمانۂ جاہلیت کی تصویر پیش کرتی تھی۔

شاہ صاحب ''الفوز الکبیر'' میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''اگر تم کو (عہد جاہلیت کے) مشرکین کے عقائد واعمال کے اس بیان کے صحیح تسلیم کرنے میں کچھ توقف ہو تو چاہئے کہ اس زمانہ کے تحریف کرنے والوں کو علی الخصوص جو دار الاسلام کے نواح میں رہتے ہیں، دیکھو کہ انہوں نے ولایت کی نسبت کیا خیال باندھ رکھا ہے وہ لوگ باوجود یکہ اولیائے متقدمین کی ولایت کے معترف ہیں مگر اس زمانہ میں اولیاء کے وجود کو قطعاً محال شمار کرتے تھے اور قبروں اور آستانوں پر پھرتے ہیں، اور طرح

طرح کے شرک میں مبتلا ہیں''۔(۱)

''تفہیمات'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

''ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں، جنہوں نے صلحاء کو "اَرْبَابٌ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" بنالیا ہے۔ ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو کلام شارع میں تحریف کرتے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ نیک لوگ اللہ کے لئے ہیں، اور گنہگار میرے لئے، یہ اسی قسم کی بات ہے جیسے یہودی کہتے تھے کہ "لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّاماً مَعْدُوْدَۃً"۔ سچ پوچھو تو ہر گروہ میں دین کی تحریف پھیلی ہوئی ہے۔

شاہ صاحب نے اس مرض بلکہ وبائے عام کے علاج کے لئے قرآن مجید کے مطالعہ وتدبر اور اس کے فہم کو سب سے مؤثر سمجھا، اور سب سے پہلے حجاز مقدس کے قیام میں ان کے اندر شدت سے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ہندوستان میں دولت قرآن کو عام کریں، چنانچہ شاہ صاحب نے حجاز سے واپسی پر قرآن مجید کے فارسی ترجمہ کا کام جس نے ''فتح الرحمٰن'' کے نام سے تکمیل پائی شروع فرمایا، اور فارسی کا انتخاب انہوں نے اس لئے کیا کہ وہ ہندستان میں قیام حکومت اسلامیہ کے بعد سے ملک کی دفتری، علمی، تصنیفی اور خط وکتابت کی زبان تھی، اور تقریباً ہر پڑھا لکھا مسلمان اگر اس میں بول لکھ نہیں سکتا تھا تو اس کو سمجھتا ضرور تھا۔

تفسیر ''فتح الرحمٰن'' کے مقدمہ میں شاہ صاحب رقمطراز ہیں:۔

''یہ زمانہ جس میں کہ ہم لوگ موجود ہیں اور یہ ملک جس کے ہم باشندہ ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ ترجمۂ قرآن سلیس اور بامحاورہ فارسی میں (بغیر اظہار فضیلت اور عبارت آرائی کے اور متعلق قصوں اور توجیہات کے ذکر کئے بغیر) کیا جائے۔ تاکہ عوام وخواص یکساں طور پر سمجھ سکیں۔ اور چھوٹے بڑے سبھی معانی قرآن کا ادراک کر سکیں اس

(۱) حضرت شاہ صاحب ان مسلمانوں کی حالت زار بیان کر رہے ہیں، جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اعمال شرک کرتے ہیں، بت نہیں تراشتے، مورتی نہیں بناتے لیکن بزرگوں کی قبروں کے ساتھ وہی سب کرتے ہیں، یہ بات صرف اس دور میں اس زور وشور سے نہیں تھی، اور صرف اس ملک میں نہیں تھی جہاں کا ذکر حضرت شاہ صاحب کر رہے ہیں، صدیوں سے یہ برائی مسلمانوں میں دبے پاؤں داخل ہو گئی تھی، لیکن اپنے اپنے وقت کے مجددین ومصلحین امت نے سب سے پہلے اسی کے خلاف آواز اٹھائی، آج بھی جگہ جگہ یہ خرافات پائی جاتی ہیں اور علمائے حق کا جہاد بھی اس کے خلاف جاری ہے۔ (محمود)

لئے اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور اس کے لئے مجبور کیا گیا"۔

شاہ صاحب کے فارسی میں ترجمۂ قرآن کے بعد بہت جلد اردو میں ترجمہ قرآن کی ضرورت محسوس ہوئی، کہ بارہویں صدی کے آخری حصہ میں اردو نے فارسی کی جگہ لینی شروع کردی تھی، اور اردو میں تحریر وتصنیف کا کام شروع ہوگیا تھا(۱)، یہ سعادت بھی شاہ صاحب ہی کے گھر مقدر تھی اور اس کی ضرورت کا سب سے پہلے احساس آپ کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر صاحب ذہلوی (م ۱۲۳۰ھ) کو ہوا، اور انہوں نے ۵-۱۲۰۴ھ میں گویا شاہ صاحب کے ترجمہ کے پچاس سال بعد ایسا با محاورہ اردو ترجمہ کیا کہ کسی غیر عربی زبان میں ایسا شگفتہ اور کامیاب ترجمہ جس میں قرآنی الفاظ کی روح آگئی ہو ابھی تک علم میں نہیں آیا، شاہ عبدالقادر کے بعد ان کے برادر بزرگ شاہ رفیع الدین (م ۱۲۳۳ھ) نے تحت اللفظ ترجمہ کیا، اور وہ بھی مقبول ہوا، اور مسلمانوں کے گھروں میں تلاوت قرآن کے ساتھ ان کے پڑھنے کا ایسا رواج ہوا جس کی مثال ملنی مشکل ہے، اور اس سے اصلاح عقائد اور اشاعت توحید کا کام بڑے پیمانہ پر انجام پایا، جو بڑے بڑے وسائل کے ساتھ بھی مشکل تھا۔ پھر تو اردو ترجمے برابر سامنے آتے رہے لیکن "الفضل للمتقدم"۔

دوسری طرف حضرت شاہ صاحب کے خلف اکبر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

---

(۱) اردو کی تاریخ یہاں سے شروع نہیں ہوتی اس کی داغ بیل اس سے کئی سو سال سے پیشتر پڑ چکی تھی گو اس کا چلن نہیں ہوا تھا، بولنے تک محدود تھی اور بعض علمی، ادبی محفلوں میں اس کی شان بڑھ جاتی تھی شاہ صاحب کے بعد جو دور شروع ہوتا ہے اس میں اردو کو ایک بڑا فروغ ملتا ہے، اور اردو عربی وفارسی کے اشتراک سے ایک پسندیدہ زبان بن کر سامنے آتی ہے، شعر وسخن علم وادب میں اردو کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی چلی گئی، حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے نہایت بلیغ وفصیح اردو میں قرآن مجید کا ترجمہ کر کے اردو کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا، اور پھر دہلی اور لکھنؤ کے اہل سخن اور ارباب قلم نے اس کو اور ترقی دی اور حیدرآباد، لاہور نے اس کو نئی جہت دی لیکن اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے اس کو جو رواج ملا، اور قبول عام حاصل ہوا، اس طاقتور اور موثر انداز سے کوئی اور ذریعہ سامنے نہیں آیا، دینی واصلاحی لٹریچر کے علاوہ اردو کو لنشیں بنانے میں شعر وشاعری اور انسانوں وکہانیوں نے بھی گہرا اثر ڈالا، اور ایک وقت یہ آیا کہ اردو برصغیر (ہندوستان وپاکستان) کی مقبول وپسندیدہ زبان بن گئی، اور پھر اس خطہ سے اس کی دنیا بھر میں شناخت ہوئی شروع میں اردو کو ہندی اور ہندی کو بھاشا کہا جاتا تھا اور گجرات میں گجری کہا جاتا تھا، جہاں سولہویں صدی عیسوی اور دسویں صدی ہجری میں اردو کا استعمال مختلف طریقوں سے ہو رہا تھا اور یہ بات بھی تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ اسی زمانہ میں گجری اردو میں ترجمۂ قرآن مجید ہو چکا تھا۔

(م ۱۲۳۹ھ) درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے جسے عوام وخواص میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، اور وہ قرآن مجید کے ذریعہ تطہیر عقائد اور اصلاح اعمال واخلاق سنجیدہ اور موثر کوشش کررہے تھے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ دعوت الی القرآن اور خواص واہل علم کے حلقہ میں تدبر قرآن کی صلاحیت پیدا کرنے اور اس کے ذریعہ سے امت کی اصلاح کا جذبہ پیدا کرنے کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی تجدیدی وانقلابی خدمت اور کارنامہ ''الفوز الکبیر'' کی تصنیف ہے جو اصول تفسیر پر منفرد کتاب ہے، کتاب گرچہ مختصر ہے لیکن اس سے مشکلات قرآن کا ایسا حل نکل آتا ہے جو دوسری کتابوں سے نہیں نکلتا، یہ پوری کتاب سراسر نکات وکلیات ہے۔

مسئلہ توحید کی علمی تنقیح وتحقیق

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے اصلاح عقائد اور توحید خالص کی دعوت کے سلسلہ میں قرآن مجید اور درس قرآن ہی کے سلسلہ میں اکتفا نہیں کیا، اس پر غور کیا کہ غیر مسلم اقوام کی مخالطت ومجاورت (میل جول اور قرب واتصال) اور مرور زمانہ کے اثر سے عوام کے ایک بڑے طبقہ میں مشرکانہ عقائد واعمال کیسے اور کہاں کہاں داخل ہوگئے ہیں، اور مسلم معاشرہ میں کس طرح انہوں نے اپنی جگہ بنالی ہے، اور کہاں کہاں مسلم معاشرہ مغالطہ اور التباس کا شکار ہوا، چنانچہ شاہ صاحب نے ایک ایک پہلو کو صاف اور واضح کیا، اور اس مغالطہ کا پردہ چاک کیا جس کی وجہ سے بہت سے جہلاء اور مدّعیان علم ان اعمال ورسوم، شعائر شرک نذر وذبح لغیر اللہ، بزرگوں کے نام پر روزے رکھنے اولیاء وصالحین سے استمداد واستعانت اور ان کے مقامات وفن کی حد درجہ تعظیم ان کے انسان کی شقاوت وسعادت، مرض وصحت فراخی رزق وتنگی میں موثر ہونے کے عقیدہ مشرکانہ میں گرفتار تھے اور اپنے رب کی سچی وخالص بندگی کی نعمت سے محروم تھے۔

شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں وہ کارنامہ انجام دیا اور عقیدہ توحید کی تجدید، تنقیح، توضیح اور اسکی اشاعت وترویج اور اس سلسلہ میں غلط فہمیوں کے ازالہ کا جو کام انجام

دیا وہ ایسا تجدیدی کارنامہ ہے کہ کوئی اور کارنامہ نہ بھی ہوتا تو یہ کافی تھا۔ ایک حدیث میں علماء حق کی جو تعریف آئی ہے وہ ان پر پورے طور پر صادق آتی ہے کہ:۔

ینفون عن ھذالدین تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین(۱)

وہ غالی لوگوں کی تحریف باطل پرستوں کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویلات سے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔

ان علماء اسلام سے کوئی دور خالی نہیں رہا، امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) ان علماء میں زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ پھر ان کے تلمیذ رشید علامہ ابن قیم جوزیہ (م ۷۵۱ھ) ان کے بعد اس سلسلہ میں پھر کوئی اور نام پورے اعتماد کے ساتھ لیا جاسکتا ہے اور اس کا کام اہل علم کے سامنے ہے تو وہ نام حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ہے، انہوں نے ایک طرف یونانی فلسفہ کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تھا، اور علم کلام کا پورا سرمایہ ان کی نظر کے سامنے بلکہ ان کی دسترس میں تھا، دوسری طرف وہ قرآن کے دقیق النظر مفسر، علم حدیث کے ماہر خصوصی اور اسرار ومقاصد شریعت کے رازداں تھے، اس سلسلہ میں ان کی کتاب "العقیدۃ الحسنۃ" مطالعہ کی گہرائی وگیرائی اور عبارت کی سلاست وروانی دونوں کی جامع ہے اور علم توحید کا ایسا متن ہے جس میں اہل سنت کے عقائد کا لُبّ لباب آگیا ہے۔(۲)

حدیث وسنت کی اشاعت وترویج

حدیث شریف کی ترویج واشاعت اور اس موضوع پر محققانہ ومبصرانہ تصنیفات شاہ صاحب کے ان کارناموں میں ہے جو ان کے صحیفہ تجدید اور کتاب زندگی کا ایک اہم اور روشن باب ہے، اور ان کا یہ کام ایسا سامنے آیا اور دوسری خدمات پر ایسا غالب آیا کہ ''محدث دہلوی'' ان کے نام کا جزء بن گیا۔

تاریخ اسلام میں اصلاح وتجدید کی جو تحریکیں اٹھی ہیں ان کا علم حدیث سے رشتہ

---

(۱) سنن بیہقی۔ (۲) العقیدۃ الحسنۃ کی جامع وبلیغ شرح العقیدۃ السنیۃ کے نام سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ التفسیر مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ نے کی جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب درس میں شامل ہے۔(محمود)

مضبوط رہا ہے، صحیح علم دین اور خالص فکر اسلامی مختلف دوروں میں یہیں سے اخذ کیا گیا، اور بدعتوں وفتنوں کا یہیں سے سدّ باب کیا گیا، اور جب جب اس سے تعلق میں کمی واقع ہوئی تو اس کے نتیجہ میں بدعتوں کا دور دورہ، اور منکرات کی اشاعت ہوئی۔

فلسفہ تاریخ اسلام کا یہ نکتہ ہے کہ جن ملکوں میں اسلام عربوں کے ذریعہ سے پہونچا وہاں حدیث کا علم بھی اسلام کے ساتھ پھیلا، اور پھلا پھولا، کہ وہ جہاں گئے اپنے ساتھ علم حدیث بھی لیتے گئے، لیکن جن ملکوں میں اہل عجم کے ذریعہ اسلام پہونچا وہاں کا یہ حال نہیں، چنانچہ اس کا اثر ہندوستان پر پڑا، اور حدیث سے وہ اعتناء نہیں برتا گیا جو برتا جانا چاہئے تھا۔ یہ ضرور ہے کہ شاہ صاحب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) نے فن حدیث شریف کی نشر واشاعت کی طرف خصوصی توجہ کی تھی بلکہ اپنی ساری صلاحیت وکوشش اسی پر صرف کی تھی، پھر ان کے صاحبزادے شیخ نورالحق (م ۱۰۷۳ھ) نے اس علم کی خدمت اور نشر واشاعت بیڑا اٹھایا، اور ان کے اخلاف نے بھی اس کام کو جاری رکھا (۱)، لیکن ان حضرات کی انفرادی مساعی سے ہندوستان میں حدیث کی طرح وہ رجوع عام نہیں ہوا اور اس کے لئے وہ جوش وسرگرمی نہیں پیدا ہوسکی جو اللہ نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور ان کی اولاد واخلاف کے ذریعہ مقدر کیا تھا۔ اور یہ شاہ صاحب کی ہی ذات گرامی تھی کہ جن کو حدیث سے عشق وفریفتگی ہی کا تعلق نہیں تھا بلکہ انہوں نے اس کی نشر واشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد اولین بنایا، اور شاہ صاحب کے اندر اس ملک میں علم حدیث کی نشر اشاعت اور اس فن کے احیاء کا جذبہ ملک کی اس وقت کی وہ صورت حال دیکھ کر زیادہ پیدا ہوا جس کا نقشہ ممتاز اسلامی مورخ ومحقق مولانا سید سلیمان ندویؒ نے پوری بلاغت واختصار کے ساتھ کھینچا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

''مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا، مسلمانوں میں رسوم وبدعات کا زور تھا،

---

(۱) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اس حقیقت کی طرف جو اشارہ کیا ہے اس سے واقف ہونے کے لیے بہترین دستاویزی کتاب ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' مولفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ہے، جو ہر طالب علم کے مطالعہ میں رہنی چاہئے، اس کا اصل مرجع وماٰخذ خود شیخ محدث کی کتابیں اور ان کے متعلق دستاویزی کتاب کا مرآۃ الحقائق مصنفہ مولانا برکت علی حقی دہلوی ہے۔ (محمود)

جھوٹے فقراء اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کی مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق وحکمت کے ہنگاموں سے پرشور تھا، فقہ وفتاویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی مسائل فقہ میں تحقیق وتدقیق مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا، عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی ومطالب اور احادیث کے احکامات وارشادات اور فقہ کے اسرار ومصالح سے بے خبر تھے" (مقالات سلیمانی، ص ۴۴)

چنانچہ حضرت شاہ صاحب حدیث کی اشاعت وترویج کے لئے تجدیدی اور اجتہادی شان کے ساتھ کھڑے ہوئے، جلد ہی حدیث کا سکّہ رائج الوقت کی طرح چلن ہوگیا، اس کے مستقل حلقے قائم ہوئے، اور ان کے دروس کا خصوصیت کے ساتھ صحاح ستہ کے درس کا رواج پڑا، شروع حدیث کا دور شروع ہوا، اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک وسیع اور عظیم کتب خانہ تیار ہوگیا، اور ہندوستان میں اس فن شریف کا ایسا مرکز بن گیا کہ مصر کے جلیل القدر عالم علامہ سید رشید رضا مدیر "المنار" کے قلم سے یہ الفاظ نکلے:

"لولا عناية اخواننا علماء الهند لعلوم الحديث في هذالعصر لقُضي عليها بالزوال من امصار الشرق، فقد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذالقرن العاشر للهجرة، حتى بلغت منتهى الضعف في أوائل هذالقرن الرابع عشر". (مقدمہ)

اگر ہمارے بھائیوں علمائے ہندستان نے اس زمانہ میں علوم حدیث کے ساتھ اعتناء نہ کیا ہوتا تو مشرقی ممالک میں مکمل طور پر ان کا زوال ہو چکا ہوتا، اس لئے کہ مصر، شام، عراق وحجاز میں دسویں صدی ہجری ہی سے ان میں ضعف پیدا ہوگیا تھا جو اس چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی انتہاء کو پہونچ گیا۔(۱)

---

(۱) علامہ سید رشید رضا مصری نے جس زمانہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری کا زمانہ ہے ان کی یہ بات ہندوستان میں دہلی، سہارن پور، لکھنؤ اور اس کے اطراف ونواح کے لیے بڑی موزوں اور درست ہے، گجرات کے علاقہ میں علم حدیث شریف سے شغف واشتغال نویں اور دسویں صدی ہجری میں زور وشور پر تھا جب عالم عرب میں علامہ سخاوی، علامہ سیوطی، علامہ ابن حجر ہیتمی کا اس سلسلہ میں غلغلہ بلند تھا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ایام یعنی تاریخ گجرات از مولانا سید عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء) اور گیارہویں بارہویں صدی ہجری میں دہلی اس کا مرکز بن گیا، تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں پورے ہندوستان میں یہ خیر پھیل گیا اور جگہ جگہ علمی ودینی مدارس قائم ہوگئے جن میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو زیادہ مرکزیت ہوئی اور بڑی شہرت ملی، اور یہ تینوں درس گاہیں نمایاں طور پر ولی اللہی درسگاہیں کہلائیں، اور علم حدیث کی علمی، تحقیقی، تدریسی اور فکری طور پر بڑی خدمت انجام دی، ہندوستان کے بعض سلفی مدارس بھی اپنا انتساب حضرت شاہ ولی اللہ کی طرف کرتے ہیں۔ (محمود)

شاہ صاحب کا مدرسہ رحیمیہ ہندوستان کے طول وعرض میں علم حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھا، اور جس کا دور دور شہرہ تھا، اور جہاں تشنگان علم حدیث پروانہ وار ہجوم کررہے تھے، سراج الہند شاہ عبدالعزیز کے ماسوا وہ تو فرزند ارجمند ہی تھے، فخر ہندوستان علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی ثم زبیدی (۱۱۴۵ھ - ۱۲۰۵ھ) صاحب تاج العروس شرح قاموس، اور ''اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین'' تھے جن کے فضل وکمال کی عالم عربی میں ایسی دھوم مچی کہ ان کی مجلس قاہرہ میں سلاطین کے درباروں سے چشمک کرتی تھی، اور اسی مدرسہ ولی اللہی کے فضلاء اور شاہ صاحب کے تلامذہ شاہ اسحاق اور شاہ عبدالغنی مجددی نے حرمین شریفین میں خدمت ودرس حدیث کی بساط بچھائی اور عرب وعجم کو فیض پہونچایا(۱)۔

شاہ صاحب نے حدیث اور علوم حدیث پر تصنیفات بھی کیں، جن میں :۱۔ مصفیٰ (موطا امام مالک کی فارسی شرح) اور ۲۔ مسویٰ (موطا کی عربی شرح) کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی، اور ان سے ہی شاہ صاحب کی علوم حدیث اور فقہ حدیث میں محققانہ اور مجتہدانہ شان ظاہر ہوتی ہے۔ وہ موطا کو صحاح ستہ میں اول درجہ پر رکھتے تھے اور علم حدیث کی اصل قرار دیتے تھے۔

فقہ وحدیث کے درمیان تطبیق

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے مجددانہ کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ فقہ وحدیث میں تطبیق کی کوشش اور مذاہب اربعہ میں جمع وتالیف کی کوشش بھی ہے۔ جہاں تک

---

(۱) شاہ اسحاق اور شاہ عبدالغنی کے تلامذہ میں ایک سے بڑھ کر ایک عالم ومحدث اور فقیہ پیدا ہوئے، اور یہ شرف ہندوستان کے ہی حصہ میں آیا کہ ان کے تلامذہ علم وفضل کے نجوم وکواکب بن کر علمی افق پر سامنے آئے اور علم حدیث کی ایسی اشاعت کی کہ دنیا پھر اس کی کرنیں بھوٹیں، مثال کے طور پر میاں سید حسین محدث دہلوی اور ان کے دو باکمال شاگرد مولانا شمس الحق ڈیانوی، صاحب عون المعبود شرح سنن أبي داؤد، اور مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، دوسری طرف مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی اور ان کے تلامذہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا خلیل احمد سہارن پوری صاحب بذل المجہود اور ان کے شاگرد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اوجز المسالک شرح موطا امام مالک اسی طرح مولانا احمد علی محدث سہارن پوری شارح صحیح البخاری وناشر کتب صحاح وسنن، دوسری طرف مولانا عبدالقیوم محدث بڈھانوی ثم بھوپالی، اور اسی سلسلہ ولی اللہی سے انتساب رکھنے والے دوسرے علماء ومحدثین جیسے مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی محدث دارالعلوم ندوۃ العلماء، وشاہ حلیم عطا سلونوی محدث دارالعلوم ندوۃ العلما کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ اور بھی شخصیتیں ہیں جو اسی سلسلہ ولی اللہی سے انتساب رکھتی ہیں۔

ہندوستان کے تحتی براعظم کا تعلق ہے اس میں اس طرز فکر اور جمع و تطبیق کی اس کوشش کا سراغ نہیں ملتا، اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت میں فطری طور پر جو جامعیت، نظر و قلب میں وسعت اور فطرتاً تطبیقی ذوق اور عارف رومیؒ کی اس وصیت پر عمل کرنے کا فطری رجحان پیدا کیا تھا کہ ؎

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اس کی بناء پر سفر حجاز سے پہلے ہی ان کے اندر تطبیق بین الفقہ والحدیث کا جذبہ اور اس کو اپنی زندگی کا وطیرہ بنانے کا عزم پیدا کر دیا تھا، چنانچہ انہوں نے غالی فقہاء (جو اپنے مذہب سے سرمو انحراف کرنے کے لئے تیار نہیں) اور فرقۂ ظاہریہ (جو ان فقہاء کی شان میں لب کشائی کرتا ہے جو حاملین علم کے سرتاج اور اہل دین کے امام و پیشوا ہیں) کی روش پر سخت تنقید کی ہے اور ان کے غلو کو ناپسند کیا۔ اور اس خلیج کو پاٹا جو مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے درمیان روز بروز بڑھتی جا رہی تھی، اور ان پر تعصب کرنے والوں کے درمیان اختلاف منافرت تک بڑھ چکا تھا کہ ہر فقہی مسلک کا پیرو اپنے مسلک کو سو فیصد صحیح اور دوسرے کو ناصواب جانتا تھا، شاہ صاحب نے چاروں مذاہب کی اہمیت وضرورت وافادیت کو ثابت کیا، اور ائمہ اربعہ کے علو شان وسعت علم، دقت نظر سے لوگوں کو باخبر کیا، شاہ صاحب کے اندر اس سلسلہ میں جو توازن و اعتدال اور جامعیت پیدا ہو چکی تھی، یہ اس کا بھی نتیجہ تھا، وہ اپنے فارسی وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''مسائل فروعی میں ایسے علماء محدثین کی پیروی کرنی چاہئے جو فقہ وحدیث دونوں کے عالم ہوں، مسائل فقہیہ کو کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاتے رہنا چاہئے''۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

''امت کے لئے قیاسی مسائل کا کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقابل کرتے رہنا ضروری ہے، اس سے کبھی بے نیازی نہیں ہو سکتی''۔

اجتہاد وتقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال

حضرت شاہ صاحب کے دینی کمالات اور تجدیدی امتیازات میں ایک ان کا متوازن مسلک اور وہ نقطۂ اعتدال ہے جو انہوں نے اجتہاد وتقلید کے درمیان اختیار کیا، ایک طرف وہ گروہ تھا جو تقلید کی مطلق حرمت کا قائل اور اس کا سخت مخالف تھا، دوسری طرف وہ گروہ تھا جو تقلید کو اس طرح ضروری قرار دیتا تھا کہ تقلید نہ کرنے والے کو "فاسق" اور "گمراہ" سمجھتا تھا۔

تقلید کے سلسلہ میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"سب کو معلوم ہے کہ استفتاء اور افتاء کا سلسلہ عہد نبویؐ سے لے کر برابر چلتا رہا ہے، اور ان دونوں میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ ایک سے فتوی لیتا ہے، یا کبھی ایک سے فتوی لیتا ہے کبھی دوسرے سے، ایسی حالت میں کہ اس کا ذہن صاف ہے، اس کی نیت سلیم ہے، اور وہ صرف اتباع شریعت چاہتا ہے، یہ بات کیسے جائز نہیں؟ جب کہ کسی فقیہ کے بارے میں ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اللہ نے اس پر آسمان سے فقہ اتاری اور ہم پر اس کی اطاعت فرض کی ہے اور یہ کہ وہ معصوم ہے تو اگر ہم نے ان فقہاء اور ائمہ میں سے کسی کی اقتداء کی تو محض اس بناء پر کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے"۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۵۵۔۱۵۶)

اسی طرح شاہ صاحب نے تقلید کے سلسلہ میں یہ بات صاف کردی کہ ایسے شخص کا اس بارے میں ذہن صاف اور نیت درست ہو کہ مقصود صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور کتاب وسنت کی پیروی ہے، اور یہ اس اعتماد پر ہے کہ ہم جس کو واسطہ بنا رہے ہیں وہ کتاب وسنت کا عالم اور شریعت اسلامی کا محض نمائندہ اور ترجمان ہے۔

"اجتہاد" کے سلسلہ میں شاہ صاحب اس کے قائل ہیں کہ یہ (اپنی شرطوں اور ضروری احتیاطوں کے ساتھ) ہر دور کی ضرورت، حیات انسانی، اور تمدن ومعاشرت کی تغیر پزیری اور نمو وارتقا کی صلاحیت اور انسانی ضروریات حوادث وتغیرات کے تسلسل کا فطری

تقاضا اور شریعت اسلامی کی وسعت اور قیامت تک انسانوں کی رہنمائی اور معاشرہ کے جائز تقاضوں کی تکمیل کی صلاحیت رکھنے کا ثبوت ہے۔ جس کا اظہار اور ثبوت ہر دور میں ضروری اور حاملین شریعت کا فرض ہے۔

چنانچہ شاہ صاحب مقدمہ مصفّٰی میں لکھتے ہیں (۱):۔

''اجتہاد ہر زمانہ میں فرض بالکفایہ ہے، یہاں اجتہاد سے مراد اجتہاد مستقل نہیں، جیسا کہ امام شافعی کا اجتہاد تھا، جو جرح وتعدیل، زبان دانی وغیرہ میں کسی دوسرے کے محتاج نہ تھے، اور اسی طرح اپنی مجتہدانہ درایت میں وہ دوسرے کے تابع نہ تھے، مقصود اجتہاد منتسب ہے۔

آگے لکھتے ہیں:۔

''ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اجتہاد اس زمانہ میں فرض ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کثیر الوقوع ہیں، جن کا حصر ممکن نہیں اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کا جاننا واجب ہے، اور جو تحریر وتدوین میں آچکا ہے وہ ناکافی ہے''۔

کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی تصنیف اور شریعت اسلامی کی موثر ترجمانی

''حجۃ اللہ البالغہ'' کی تصنیف شاہ صاحب کا وہ بڑا علمی کارنامہ ہے جس میں دین ونظام شریعت کا ایک ایسا مربوط، جامع مدلل نقشہ پیش کیا گیا ہے جس میں ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاق، علم الاجتماع وتمدن وسیاست اور احسان کو ایک ایسے ربط وتعلق اور صحیح تناسب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک ہار کے موتی اور ایک زنجیر کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں، اس ربط وتناسب کی وجہ ان کا علم حدیث کا گہرا اور وسیع مطالعہ اور وہ مخصوص مزاج ہے جو حدیث اور سیرت کے اشتغال یا مزاج نبویؐ سے مناسبت رکھنے والے کسی ''عالم ربانی'' کی صحبت وتربیت میں پیدا ہوتا ہے، اور یہ کتاب اس دور عقلیت کے لئے ایک نیا علم کلام بن گئی۔

---

(۱) مؤطا کی شرح مصفّٰی ہے حضرت شاہ صاحب نے مؤطا کی دو شرحیں لکھیں مُسَوّی عربی میں اور مصفّٰی فارسی میں لکھی خوشی کی بات ہے کہ مصفّٰی کو عربی میں منتقل کرنے کا کام فکر ولی اللہی کے اس دور کے ترجمان حضرت الاستاذ مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ نے بذات خود انجام دے دیا ہے والحمد للہ علی ذلک۔ (محمود)

شاہ صاحب کتاب کی تصنیف کے محرکات ودواعی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علوم حدیث میں سب سے باریک، دقیق وعمیق، رفیع وبدیع علم، اسرار دین کا وہ علم ہے جس میں احکام کی حکمتیں اور ان کی لمیات اور خواص اعمال کے اسرار ونکات بیان کیے جائیں جن کے ذریعہ انسان شریعت کی لائی ہوئی چیزوں کے بارے میں صاحب بصیرت بن جاتا اور خلط وخبط سے محفوظ رہتا ہے''۔

شاہ صاحب نے ''حجۃ اللہ البالغہ کو جو اصلاً شریعت کے اسرار وحکم اور حدیث وسنت کی عقلی تشریح کے لئے لکھی گئی، نظام تشریعی سے شروع کرنے سے پہلے جوان اوامر ونواہی پر مشتمل ہوتا ہے جن کا اصلاً تعلق ثواب وعقاب، نجات وفلاح اخروی سے ہے کتاب کو ان مباحث سے شروع کیا ہے جن کا تعلق دنیا کے نظام تکوینی اور حیات انسانی سے ہے، اور جن کی پابندی سے ایک صحت مند ہیئت اجتماعی اور ایک صالح تمدن وجود میں آتا ہے، شاہ صاحب نے اس کے لیے ''ارتفاقات'' کی اصطلاح استعمال کی ہے جو اس سے پہلے دوسرے مسلمان متکلمین، فلاسفہ اور علمائے اجتماع نے استعمال نہیں کی۔

شاہ صاحب نے عقائد سے لے کر عبادات، معاملات، احسان وتزکیہ، مقامات واحوال، کسب معیشت کے طرق، تبرع وتعاون، تدبیر منزل، خلافت، قضا، جہاد، آداب طعام، آداب صحبت، معاشرت اور آخر میں فتن، حوادث مابعد، اور علامات قیامت تک کی احادیث سے بھی بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں سیرت نبوی کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے اور ان مختلف ابواب کے اسرار ومقاصد اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ ان مسائل کا ربط زندگی تمدن اور اخلاقیات سے کہیں ٹوٹنے نہیں پاتا۔ غرض یہ کتاب اپنی جامعیت، عُمق، دین وشریعت کی وسیع لیکن مربوط ترجمانی اور ان صدہا بیش قیمت نکات وتحقیقات کی بناء پر جو کتاب کے صفحات پر جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اسلامی کتب خانہ میں متعدد حیثیتوں سے بالکل ایک انفرادی شان رکھتی ہے، آخر مولانا شبلی نعمانی کو اپنی مشہور کتاب ''علم الکلام'' میں لکھنا پڑا کہ

''شاہ صاحب نے علم الکلام کے عنوان سے کوئی تصنیف نہیں کی اور اس بناء پر ان کو متکلمین کے زمرہ میں شمار کرنا بظاہر موزوں نہیں لیکن ان کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' جس میں

انہوں نے شریعت کے حقائق اور اسرار بیان کئے ہیں درحقیقت علم کلام کی روح رواں ہے"۔

اور لکھتے ہیں:۔

"اخیر زمانہ میں جب کہ اسلام کا نفس باز پسیں تھا، شاہ ولی اللہؒ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے"۔(۱)

اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح اور کتاب "ازالۃ الخفاء" کی تصنیف

"ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" شاہ صاحب کی "حجۃ اللہ البالغہ" کے بعد دوسری معرکۂ آراء اور بہت سی خصوصیات کی بنا پر اپنے موضوع پر منفرد اور یگانہ کتاب ہے فخر المتأخرین مولانا عبدالحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) جن کا تبحر علمی اور وسعت نظر مشہور و مسلّم ہے اپنی مشہور کتاب "التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد" میں "ازالۃ الخفاء" کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کتاب عدیم النظیر فی بابہ" (کتاب اپنے موضوع پر بے نظر اور عدیم المثال ہے)۔

کتاب کی تالیف کا مقصد اول بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب خود رقمطراز ہیں:۔

"فقیر حقیر ولی اللہ عفی عنہ کہتا ہے کہ اس زمانہ میں تشیّع کی بدعات کا شیوع ہوا، عوام کی طبیعتیں ان کے پیدا کئے ہوئے شبہات سے گہرے طریقہ پر متاثر ہوئیں، اس علاقہ کے اکثر باشندوں کے دل میں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ثبوت خلافت کے بارے میں طرح طرح کے شکوک واعتراضات پیدا ہو گئے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"جو شخص بھی خلافت راشدہ کی صحت کے اصول کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے اور

---

(۱) مؤرخ ہند علامہ سید عبدالحی حسنی (م ۱۳۴۱ھ-۱۹۲۳ء) حقائق واسرار شریعت کے بیان میں سبقت واولیت گجرات کے جلیل القدر عالم ومصنف علامہ علی المہائمی کو دیتے ہیں جن کا زمانہ نویں صدی ہجری کا ہے گویا حضرت شاہ صاحب سے دو ڈھائی سو سال پہلے وہ یہ کام انجام دے چکے تھے، اس میدان میں حضرت شاہ صاحب ہندوستان کی دوسری شخصیت ہیں، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ شاہ صاحب کے کام کو زیادہ مقبولیت اور تعارف حاصل ہوا، اور اس طرح وہ اس میدان میں فرد فرید سمجھے جاتے ہیں۔ (محمود)

دین کے اس اصل کا انکار کرتا ہے، وہ حقیقت میں تمام فنون دینیہ کو منہدم کر دینا چاہتا ہے''۔

اور تحریر فرماتے ہیں:۔

''خلفائے راشدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کے درمیان قرآن مجید کے اخذ و تلقی میں واسطہ ہیں''۔

کتاب کا سب سے وجد انگیز حصہ وہ ہے جس میں شاہ صاحب نے قرآن مجید کی متعدد آیات سے خلفائے راشدین کی خلافت کے انعقاد اور خلیفہ راشد ہونے اور ان کے ذریعہ سے منشائے الٰہی کی تکمیل اور امر تکوینی کے تحقق پر استدلال کیا ہے، خلفائے راشدین کی خلافت کے اثبات کے دلائل اور خلفائے اربعہ کے مآثر و مناقب ان کے زمانہ کے کارناموں اور ان کے بہت سے قیمتی کلمات وارشادات کے علاوہ اور بھی بیش بہا فوائد، تحقیقات نادرہ اور وہ قیمتی مواد پیش کیا ہے جو نہ عقائد و علم کلام کی کتابوں میں عام طور پر ملتا ہے نہ تاریخ اور سیر میں۔

ضرورت تھی کہ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے بعد جو گویا اسلام کی علمی ونظری تفہیم وتشریح ہے یہ دکھایا جاتا کہ واقعات کی دنیا میں نبوت کے بعد کے متصل دور میں کس طرح کامیابی کے ساتھ ان اصول وتعلیمات کو عملی شکل دی گئی، معاشرۂ انسانی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے، اور وہ تمدن جو دولت ساسانیہ اور دولت روما کے سایہ میں پھل پھول رہے تھے اور حیات انسانی پر اثر انداز ہو رہے تھے کس طرح نیست ونابود ہوئے، اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اسلام کی دینی تاریخ اور ذہنی ومذہبی انقلاب وتغیر کا ایک مختصر ابھرا ہوا خاکہ بھی آ گیا ہے۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب ان کے فتاوی اور احکام پر مفصل مواد بھی جمع ہو گیا ہے جس سے ایک پوری فقہ فاروقی سامنے آ گئی ہے، اور اس کتاب میں ان فتنوں کی نشاندہی بھی ہے جو عہد صحابہؓ میں پیش آئے اور وہ توازن واعتدال پورا موجود ہے جو اہل سنت والجماعت کا شعار وافتخار ہے(۱)۔

---

(۱) حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے یہ معرکہ آراء کتاب فارسی زبان میں تصنیف کی تھی جس سے اس کی افادیت کا دائرہ محدود رہا، ضرورت تھی کہ اس کی افادیت زیادہ سے زیادہ عام ہو اور اس کے لیے الحمد للہ اس کے عربی ترجمہ کا کام مرکز الامام أبی الحسن الندوی للبحوث والدراسات الاسلامیہ اعظم گڑھ کے تحت عالم جلیل مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی دام ظلہ کی نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہونچ رہا ہے۔ (محمود)

سیاسی انتشار کا زمانہ اور شاہ صاحب کا مجاہدانہ وقائدانہ کردار

بارہویں صدی ہجری کا ہندوستان، سیاسی انتظامی اور اخلاقی حیثیت سے انحطاط وپستی، بدنظمی وطوائف الملوکی اور انتشار واضطراب کے اس نقطہ پر پہونچ گیا تھا، جس کو کسی معاشرہ ونظام کا دم واپسیں یا حالت احتضار سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مغلیہ سلطنت صرف اقتدار کی علامت بن کر رہ گئی تھی، اور ملک کی قسمت کا فیصلہ تین نوخیز جنگجو طاقتیں کررہی تھیں، مرہٹہ، سکھ، جاٹ۔

مرہٹوں کی ہنگامہ آرائیاں اور اخلاق سوز حرکتیں کہ لوگوں کے ہاتھ، کان، ناک تک کاٹ لینا، سکھوں کی جارحیت، اور ہیبت ناک مظالم جن کے پیش نظر اقتدار کی ہوس اور چودھراہٹ تھی اور جاٹ جو محض بگڑے ہوئے حالات کی وجہ سے ایک تخریبی اور انتشار انگیز طاقت بن گئے تھے ان حالات سے سبھی (وہ مسلمان ہوں یا عام ہندو) پریشان، ہراساں اور عاجز تھے اور دلی والے روزمرہ کے ہنگاموں سے سخت تنگ آچکے تھے کہ دلی فتنوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی، پھر ۱۱۵۱ھ میں جب کہ شاہ صاحب کے حجاز سے واپسی کے ۵ سال گزرے نادرشاہ کے حملہ نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی اور ایسا زبردست قتل عام ہوا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی، حالات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرہٹہ گردی، جاٹ گردی، سکھ گردی، اور نادرگردی کے ہوش رُبا مصائب اور زلزلوں نے جو دلی کو زیروزبر کئے دے رہے تھے شاہ صاحب کو بھی وہاں سے کچھ وقت کے لئے نکلنے پر مجبور کیا، بڈھانہ (ضلع مظفرنگر) کا قیام اسی زمانہ کا ہے، شاہ صاحب کا کمال یہ ہے کہ ان حالات میں بھی ان کے تصنیف وتحقیق، درس وتعلیم میں انہماک میں فرق نہیں آیا، اور نہ وہ حالات سے کسی طرح غافل ہونے پائے بلکہ حالات کو تبدیل کرنے اور اس ملک میں مسلمانوں کے اقتدار کو دوبارہ واپس لانے کے لئے مساعی وسرگرم رہے، اور پرامن ماحول کے قیام اور انتشار انگیزی کو ختم کرنے کے لئے کوشاں رہے، اور وہ اس سلسلہ میں ایسا قائدانہ کردار ادا کررہے

تھے جو بڑے سے بڑا سیاسی مدبر کرسکتا تھا، ان حالات میں شاہ صاحب کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے اقبال کا یہ شعر حقیقت حال کی سچی تصویر معلوم ہوتا ہے۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

شاہ صاحب کی حالات پر نظر اور ان کے درد و کرب اور حساسیت و دوراندیشی کا اندازہ ان مکاتیب سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے احمد شاہ ابدالی، نواب نجیب الدولہ، اور بعض امراء و سلاطین کو تحریر فرمائے، نواب نجیب الدولہ کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"اگر غلبہ کفر معاذ اللہ اسی انداز پر رہا، تو مسلمان اسلام کو فراموش کردیں گے اور تھوڑا ہی زمانہ گزرے گا کہ یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائے گی کہ اسلام اور غیر اسلام میں تمیز نہ کرسکے گی"۔

شاہ صاحب نے مغل حکمرانوں کے عروج و زوال اور ان کے اسباب کا بغور مطالعہ کیا تھا، اور اسکا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا، اس کے علاوہ انہوں نے دوسری اسلامی سلطنتوں کی تاریخ بھی دقت نظر سے پڑھی تھی، اور اس سے انہوں نے وہ حکیمانہ نتائج اخذ کئے تھے جو قرآن کا ایک بڑا عالم اور زمانہ کا مبصر اور اسرار و مقاصد شریعت کا ماہر ہی کرسکتا ہے چنانچہ انہوں نے بادشاہ وقت اور اسکے وزیر، ارکان سلطنت کو مفید اور نہایت دانشمندانہ مشورے دیئے، لیکن مغلیہ سلطنت کی چولیں ہل چکی تھیں اور وہ زوال کے آخری حدود کو پہونچ چکی تھی، اس لئے شاہ صاحب جیسا بالغ نظر مصلح اور وسیع النظر مورخ صرف انھیں کو جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے پر اکتفا کیسے کرتا، انہوں نے ان امرائے سلطنت اور قائدین سے رابطہ کیا جن کے اندر انھیں دینی حمیت اور قومی غیرت کی کوئی دبی ہوئی چنگاری نظر آئی، لیکن اصلاً ان کی نگاہ انتخاب و اختصاص اس عہد کی دو عظیم شخصیتوں پر پڑی، ایک ہندوستان کی ہی امیر الامراء نواب نجیب الدولہ کی شخصیت اور دوسری والی افغانستان احمد شاہ ابدالی کی شخصیت، اور ان سے باقاعدہ مراسلت شروع کی، اور ان چنگاریوں کو فروزاں کرنے کی کوشش کی جو ان کی خاکستر میں دبی ہوئی تھی، اور اس کے ساتھ ان کی پوری دینی اور سیاسی رہنمائی بھی جاری رکھی، یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ شاہ صاحب نے نواب نجیب الدولہ کو

ہی احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان بلانے کے لئے خاص ذریعہ بنایا، اور طویل ومؤثر خط براہ راست بھی لکھے، شاہ صاحب کی کوشش رائیگاں نہیں گئیں اور احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۷۶ھ میں ہندوستان کا قصد کیا، اور ۱۱۷۴ھ (۱۴ رجنوری ۱۷۶۱ء) کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں سے وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی جس نے ہندوستان کا نقشہ ہی بدل دیا، اور شاہ صاحب کے بعد ان کے جانشینوں خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ان کے کاموں کی توسیع وتکمیل اور ان کے افکار وتعلیمات کی تنفیذ واجراء کا کام بحسن وخوبی انجام دیا، اور پھر امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے شاہ صاحب کے سیاسی نقشے میں رنگ بھرنے کی کوشش کی اور جان کی بازی لگادی، اور بعد میں پھر ان کے اخلاف نے اس کام کو جاری رکھا، اور فکر ولی اللّٰہی کا امتداد ہوتا رہا، اور اس ملک میں اسلام کی بقاء وحفاظت کی موثر کوششیں کی جاتی رہیں، اور یہ سلسلہ آج بھی الحمدللہ جاری ہے۔

امت کے مختلف طبقات کا احتساب

مسلمانوں کے ہر طبقہ کو سنت وشریعت کے معیار سے جانچنے اور اس کے احتساب وتنقید میں امام غزالی (م ۵۰۵ھ) اور علامہ ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) کے نام سرفہرست نظر آتے ہیں، اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب کا کام اور نام زیادہ روشن اور تابناک دکھائی دیتا ہے، انہوں نے سلاطین اسلام امراء وارکان دولت، فوجی سپاہیوں، اہل صنعت وحرفت، مشائخ کی اولاد (پیرزادوں) غلط کار علماء دین میں تنگی پیدا کرنے والے واعظوں، اور کنج نشین زاہدوں سے الگ الگ خطاب کیا ہے، اور عام امت مسلمہ سے الگ عمومی وجامع خطاب فرمایا اور امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز اور دکھتی رگوں پر انگلی رکھنے کا کام کیا ہے، ان خطابات میں شاہ صاحب کے دل کا درد، اسلامی حمیت کا جوش، دعوت کا جذبہ اور زور قلم اس نقطۂ عروج پر ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

اولاد واخلاف

اللہ تعالیٰ کا شاہ صاحبؒ کے ساتھ یہ معاملہ خاص تھا کہ انھیں ایسے فرزند وجانشین

ملے جو "نعم الخلف لنعم السلف" کے صحیح مصداق ہیں۔ جنہوں نے حضرت شاہ صاحب کے جلائے ہوئے چراغ کو ہی صرف جلائے نہ رکھا بلکہ اس سے سیکڑوں چراغ جلائے، پھران چراغوں سے وہ چراغ جلتے رہے جن سے صرف ہندوستان ہی نہیں ہندوستان کے باہر بھی کتاب وسنت، عقائد حقہ، اشاعت توحید خالص، ردّ شرک وبدعت، اصلاح رسوم، تزکیۂ نفس، حصول درجۂ احسانی، اعلائے کلمۃ اللہ وجہاد فی سبیل اللہ، حمیّت دینی، تأسیس مدارس دینیہ، دین کی صحیح تعلیمات کی ترجمانی وتبلیغ کے لئے تصنیف وتالیف اور تراجم قرآن وکتب حدیث وفقہ کا مبارک سلسلہ اُس وقت سے لے کر آج تک جاری ہے، فارسی کا یہ شعر شاید اسی موقع کے لئے کہا گیا تھا۔

یک چراغیست درایں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگرام انجمنے ساختہ اند

فرزندان گرامی

شاہ صاحب نے چار باکمال فرزند چھوڑے، ان چار صاحبزادوں میں سے شاہ عبدالغنی صاحب کا جو اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے ۱۲۴۷ھ میں انتقال کیا، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ انھیں کے فرزند تھے۔

بھائیوں میں سب سے بڑے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ تھے، مولانا عبدالحی حسنی نے نزہۃ الخواطر جلد ہفتم میں آپ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:۔

"امام العلماء، رأس الفضلاء، علامۂ محدث، شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم عمری دہلوی خود اپنے زمانہ کے علماء کے سردار اور گزشتہ علماء کے سرتاج کے چشم وچراغ، بعض لوگوں نے آپ کو "سراج الہند" اور بعض نے "حجۃ اللہ" کا خطاب دیا۔

شیخ محسن بن یحییٰ ترہتی "الیانع الجنی" میں لکھتے ہیں:۔

"وہ فضل وکمال اور شہرت ومقبولیت کے اس مقام پر فائز تھے کہ اطراف ہند کے لوگ ان سے انتساب بلکہ آپ کے تلامذہ ومنتسبین سے بھی ادنیٰ نسبت پر فخر کرتے تھے"۔

حیرت اس پر ہوتی ہے کہ پچیس سال کی عمر سے آپ کو متعدد اذیت رساں امراض نے گھیر رکھا تھا، جن کی تعداد ۱۴ شمار کی گئی ہے، پھر بھی وہ خوش گفتار، حاضر جواب، اور با اخلاق رہے، اور درس وافادہ، تربیت وارشاد، اور تحقیق وتصنیف کا کام پوری مستعدی سے جاری رکھے رہے، اشاعت وتبلیغ قرآن، حدیث کی تدریس وترویج، نصرت سنت وردّ شیعہ، انگریزی اقتدار کی مخالفت اور مسلمانوں کے ملی تحفظ کا کام آپ کے امتیازات وخصوصیات میں ہے جن کے اثرات بڑے دور رس پڑے یہ اس خداداد بصیرت اور مومنانہ فراست کا نتیجہ تھا جس سے آپ نے کام لیا، اور اس دینی حمیت اور قومی ملی غیرت کا تقاضا تھا جو آپ کے اندر موروثی طور پر موجود تھا۔

جہاں تک مردان کار کی تربیت کا تعلق ہے، اور وہ بھی ایسے مردان کار جو حالات، اور وقت کے تقاضوں اور دین کے حقیقی مطالبوں کے مطابق دعوت واصلاح کا کام انجام دیں اور جہد وجہاد کا بیڑا اٹھائیں، عجیب بات ہے کہ اس میں بھی شاہ عبدالعزیز کا حصہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ اور اس دعوے کے ثبوت کے لئے تنہا حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا نام لینا ہی کافی ہے، مزید یہ کہ مولانا عبدالحی بڑھانوی، شاہ محمد اسماعیل شہید، شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، اور کیسے کیسے کاملین علم وفن اصحاب دعوت وعزیمت، مجاہدین، مصلحین، قائدین، اس فہرست میں نظر آتے ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

شاہ عبدالعزیز (متوفی ۷ رشوال ۱۲۳۹ھ) سے چھوٹے شاہ رفیع الدین تھے، جو اپنے وقت کے مشہور محدث، متکلم، اصولی، مسند وقت، فرید عصر، اور نادرۂ دہر تھے، مختلف موضوعات پر اہم کتابیں تصنیف کیں، ''ترجمہ قرآن'' آپ کی بہترین یادگار ہے، برادر بزرگ کے آنکھوں سے معذور ہو جانے کے بعد درس وتدریس کی مصروفیت زیادہ بڑھ گئی تھی، اور آپ شاہ عبدالعزیز صاحب کے قوت بازو تھے لیکن ان کی ہی حیات میں ۶ رشوال ۱۲۳۳ھ کو وفات پا گئے (۱)۔

---

(۱) شاہ رفیع الدین کا اردو ترجمہ تحت اللفظ ترجمہ ہے، بعض محققین کی رائے یہ بھی ہے کہ یہ انتسابی ہے، علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ نے شاہ رفیع الدین کے رسائل میں ایک رسالہ بیعت کا بھی ذکر کیا ہے، جو گرچہ مختصر ہے لیکن اس کے اغراض ومقاصد اور اقسام اور اس کے نتائج وثمرات پر وافی شافی رسالہ ہے۔ (م)

ان کے بعد شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا نام گرامی ہے، جن کی ولایت وجلالت شان پر لوگوں کا عام اتفاق تھا، اپنے باکمال بھائیوں اور کبار مشائخ کی موجودگی میں شاہ عبدالقادر کو مرجعیت ومرکزیت حاصل ہوگئی تھی، وہ علم وعمل، زہد وتواضع اور حسن سلوک میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے اور تزکیۂ واحسان میں درجہ عالی رکھتے تھے اور علوم الٰہیہ کے ممتاز علماء میں تھے، لیکن ان کو زیادہ شہرت قرآن کریم کے اردو زبان میں ترجمہ وتفسیر سے حاصل ہوئی، انہیں عربی زبان وادب کا جیسا صحیح ذوق اور قرآنی الفاظ کی روح اور طاقت ومنشاء کے مطابق اردو کے الفاظ کے انتخاب میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کی نظیر دور دور نہیں ملتی، اور بعض مقامات پر وہ علامہ زمخشری وراغب اصفہانی جیسے علمائے بلاغت وائمہ لغت سے بھی بڑھ جاتے ہیں، افسوس کہ بڑے باکمال بھائیوں کی موجودگی میں ۱۹ / رجب ۱۲۳۰ھ کو وفات پاگئے، جوان کو دفن کرتے وقت بڑی حسرت سے کہہ رہے تھے کہ "ہم ایک انسان کو نہیں بلکہ سراپائے علم وعرفان کو دفن کر رہے ہیں"

برادر اصغر شاہ عبدالغنی (جنہوں نے اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے وفات پائی) کی ایسی خدمات سامنے نہیں آئیں جیسے اور بھائیوں کی آئیں لیکن اللہ نے ان کے صاحبزادہ حضرت شاہ اسماعیل شہید کو ایسی توفیق عطا کی جس سے انہوں نے اپنے والد ماجد کی طرف سے پوری تلافی کر دی۔

ان فرزندان گرامی کے علاوہ شاہ صاحب کا ایک بڑا اور کامیاب حلقۂ ارادت وتلمذ ہے جن میں شاہ محمد عاشق پھلتی، خواجہ محمد امین کشمیری شیخ نور اللہ بڈھانوی اور حضرت شاہ ابوسعید حسنی علم ومعرفت میں مرتبۂ عالی رکھتے ہیں اور شاہ صاحب کے افکار ونظریات کے حامل لوگوں میں ممتاز تھے۔ اس نسبت ولی اللّٰہی کے عملی طور پر سب سے بڑے حامل اور اپنے عہد کے مجدد اور مصلح عظیم امیر المومنین حضرت سید احمد شہید جو حضرت شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلوی کے نواسے ہیں اور علم وسلوک میں حضرت شاہ صاحب کے صاحبزادگان حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی (م ۱۲۳۰ھ) کے تربیت یافتہ تھے، آپ کے نواسے ہیں، اور سلطان ٹیپو شہید کے اور ان کے خاندان کے حضرت شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلوی اور آپ کے خاندان سے اصلاحی وتربیتی روابط کا پتہ چلتا ہے۔

کتب ورسائل

حضرت شاہ صاحب کی چھوٹی بڑی عربی فارسی تصنیفات کی ایک فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے پیش کی جارہی ہے، جوانہوں نے متنوع اور مختلف موضوعات پر تصنیف فرمائیں۔

(الف)

۱۔الأربعین (عربی) چالیس احادیث کا مجموعہ جو جوامع الکلم کا مصداق ہے۔(۱)

۲۔الارشادالی مہمات علم الاسناد (عربی) جس میں اساتذہ وشیوخ حجاز کا ذکر ہے۔(۲)

۳۔ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (فارسی) خلافت کی حیثیت ومقام اور اثبات خلافت راشدہ وردروافض وشیعیت پر بے نظیر کتاب۔

۴۔أطیب النعم فی مدح سید العرب والعجم (عربی) شاہ صاحب کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے۔

۵۔ألطاف القدس (فارسی) اس میں لطائف باطنی کی تشریح اور تصوف کے بنیادی مسائل کی توضیح ہے۔

۶۔الامدادفی مآثر الأجداد (فارسی) مختصر رسالہ ہے۔جس میں خاندانی بزرگوں کا ذکر ہے۔

---

(۱) یہ چالیس احادیث حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے رسالہ ''الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین'' جو مسلسلات کے نام سے مشہور ہے میں بھی شامل ہیں اور مشہور اہل قلم اور مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے اپنے اردو ترجمہ کے ساتھ اس کو الگ سے شائع بھی کیا جو مقبول ہوا۔(م)

(۲) یہ رسالہ تحقیق ومراجعت چاہتا تھا اس کے لے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبہ بحث وتحقیق سے متعلق ندوی فاضل مولوی محمد عثمان ممتاز ندوی نے بڑی محنت وجستجو اور تحقیق وعرق ریزی سے مرتب کر کے ایک بڑا علمی کام پیش کیا ہے جس کے چند نسخے تو سامنے آچکے ہیں لیکن منظر عام پر یہ رسالہ نہیں آیا ہے۔(م)

۷۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (فارسی) تصوف کے مختلف سلاسل کی تاریخ اور تعلیمات کا مختصر تذکرہ۔

۸۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین (فارسی) کتاب ''انفاس العارفین'' کا جزء ہے۔

۹۔ الانصاف فی بیان اُسباب الاختلاف (عربی) براہ راست فن حدیث پر نہیں لیکن بالواسطہ حدیث سے ہی متعلق رسالہ ہے۔

۱۰۔ انفاس العارفین (فارسی) یہ شاہ صاحب کے سات رسالوں کا مجموعہ ہے جس میں بعض علیٰحدہ بھی شائع ہوئے۔

(ب)

۱۱۔ البدور البازغۃ (عربی) یہ کتاب فلسفۂ دینی کے بیان پر مشتمل ہے۔ (پاکستان سے اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

۱۲۔ بوارق الولایۃ (فارسی) یہ رسالہ والد گرامی شاہ عبدالرحیم کے اقوال واحوال کے ذکر پر ہے۔

(ت)

۱۳۔ تاویل الاحادیث (عربی) انبیاء کرامؑ کے قصص سے استخراج کئے ہوئے اصول شرعیہ پر مختصر رسالہ ہے، جس میں قرآن مجید کے عمیق فہم کے نمونے ملتے ہیں۔

۱۴۔ تحفۃ الموحدین (فارسی) عقیدۂ توحید کی تشریح پر مختصر رسالہ ہے۔

۱۵۔ تراجم ابواب البخاری (عربی) اس میں ایسے قواعد بیان کئے گئے ہیں جن سے تراجم بخاری کے حل میں مدد مل سکے۔

۱۶۔ التفہیمات الالٰھیۃ (عربی وفارسی) اس میں شاہ صاحبؒ کے واردات قلبی اور وجدانی مضامین ہیں، جو زیادہ تر عربی اور کم تر فارسی میں ہیں۔

(ج)

۱۷۔ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف (فارسی) ذاتی حالات کا مختصر بیان۔

(ح)

۱۸۔ حجۃ اللہ البالغۃ (عربی) اس میں دین ونظام شریعت کا ایک مربوط، جامع اور مدلل نقشہ پیش کیا گیا ہے، اور اسرار ومقاصد شریعت کی توضیح کی گئی ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ کے نام سے پانچ ضخیم جلدوں میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے اردو میں اس کی تشریح وترجمہ کا کام کیا ہے جو طبع ہو چکا ہے، اور عربی میں بھی دو جلدوں میں اس کی شرح کر کے شائع کی ہے)۔ (محمود)

۱۹۔ حسن العقیدۃ (عربی) یہ رسالہ "العقیدۃ الحسنۃ" کے نام سے معروف ہے اس میں اسلام کے بنیادی عقائد کو اہل سنت کے مسلک پر جامع طریقہ پر بیان کیا گیا ہے۔ (العقیدۃ السنیۃ کے نام سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ التفسیر مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ نے مختصر شرح وتحقیق کے ساتھ شائع کیا اور یہ رسالہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب درس میں داخل ہے۔ (م)

(خ)

۲۰۔ الخیر الکثیر (عربی) یہ حقیقۃً فلسفۂ دینی کی کتاب ہے، اور یہ کتاب فلسفہ، طبعیات، تصوف، حکمۃ الاشراق سب کا مجموعہ ہے۔ (پاکستان سے اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

(د)

۲۱۔ الدرّ الثمین فی مبشرات النبی الأمین (عربی) آنحضور صلی اللہ علیہ کے مبشرات کا ایک مجموعہ ہے۔ (مشہور عالم مولانا عاشق الٰہی بلندشہری کی تحقیق کے ساتھ جدید طرز پر منظر عام پر آچکا ہے)۔ (محمود)

۲۲۔ دیوان اشعار (عربی) یہ شاہ عبدالعزیز کا جمع کردہ اور شاہ رفیع الدین کا مرتب کردہ ہے۔

(ر)

۲۳۔ رسالہ، خواجہ خوردؒ شیخ عبداللہ بن عبدالباقی کے جواب میں ہے۔

۲۴۔ رسالہ دانشمندی (فارسی) اصول تعلیم پر پُر مغز رسالہ ہے۔

(ز)

۲۵۔زھراوین۔سورۂ بقرہ وسورۂ آل عمران کی تفسیر

۲۶۔سطعات۔(فارسی)فلسفۂ الٰہیہ اور تصوف پر ہے۔

۲۷۔سرور المحزون (فارسی) ابن سید الناس کی کتاب ''نور العین فی سیرۃ الامین المامون'' کا خلاصہ ہے۔(اس کتاب کو مختلف لوگوں نے موضوع تحقیق بنایا، پروفیسر ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی ندوی صاحب دام ظلہ نے ترجمہ وتحقیق کا کام کر کے شائع کیا ہے۔(محمود)

(ش)

۲۸۔شرح تراجم ابواب صحیح البخاری (عربی) تراجم صحیح بخاری کے لطائف واسرار پر ہے۔

۲۹۔شفاء القلوب (فارسی) حقائق ومعارف کے بیان میں ہے۔

۳۰۔شوارق المعرفۃ (فارسی) چچا شیخ ابوالرضا کے حالات پر ہے۔

(ع)

۳۱۔العطیۃ الصمدیۃ فی أنفاس المحمدیہ (فارسی) نانا شیخ محمد پھلتی کے حالات پر ہے۔

۳۲۔عقد الجید فی أحکام الاجتہاد والتقلید (عربی) اجتہاد وتقلید کے متعلق ہے۔

(ف)

۳۳۔فتح الرحمٰن (فارسی) قرآن حکیم کا فارسی ترجمہ ہے۔

۳۴۔فتح الخبیر (عربی) قرآن حکیم کے مشکل الفاظ کی تشریح پر ہے۔(یہ رسالہ مولوی محمد حسان اختر ندوی کی تحقیق ومراجعت کے ساتھ موسسۃ الثقافۃ واللغۃ لکھنؤ نے شائع کیا ہے)

۳۵۔فتح الودود لمعرفۃ الجحود (عربی) اخلاق وتصوف کے متعلق ہے۔

۳۶۔الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الأمین (عربی) فن حدیث کے متعلق ہے۔(ہندوستان وپاکستان کے کئی ادارے اس کو شائع کر چکے ہیں، اور اس رسالہ کی قراءت کے بعد مسلسلات کی اجازت دینے کا بڑے دینی مدارس میں معمول بھی چل پڑا ہے، مظاہر علوم سہارن پور میں اس کا بڑا زیادہ اہتمام رہا، خصوصاً اس کے شیخ الحدیث حضرت

مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ ثم مہاجر مدنیؒ کے دور میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء ومشائخ نے بھی اس سعادت میں حصہ لینا مسرت کی بات سمجھی، اس وقت یہ خصوصیت حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری دامت برکاتہم کو حاصل ہے)۔(محمود)

۳۷۔الفوز الکبیر (فارسی) اصول تفسیر پر ہے اور اپنے موضوع پر منفرد ہے۔ (قرآن مجید سے متعلق اصول التفسیر پر یہ شاہ صاحب کی معرکۂ آراء کتاب ہے، اس کا عربی ترجمہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب اور مولانا سعید احمد پالن پوری صاحب نے اپنے اپنے اسلوب میں کیا ہے، اور یہ دونوں ترجمے شائع ہو کر عام ہو رہے ہیں)۔(م)

۳۸۔ فیوض الحرمین (عربی) یہ کتاب خواص اہل علم کے لئے ہے، اور اس میں مشاہدات حجاز بیان کئے گئے ہیں۔(پاکستان سے اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے)(محمود)

(ق)

۳۹۔قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی) حضرات شیخین کی فضیلت کے اثبات میں ہے۔

۴۰۔القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (عربی) یہ رسالہ طالبین سلوک کے لئے دستور العمل اور ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتا ہے۔(مولانا عبدالعظیم المعلم ندوی (بھٹکلی) نے اس پر تحقیقی کام کیا ہے، اردو ترجمہ عربی متن کے ساتھ مولانا خرم علی بلہوری مرحوم یکے از خلفاء حضرت سید احمد شہید مشہور ہوا اور اسی کے نسخے مکتبوں اور کتب خانوں میں دستیاب ہیں۔(محمود)

(ک)

۴۱۔کشف الغین عن شرح الربا عینین (فارسی) خواجہ باقی باللہ کی دو ربا عیوں کی شرح کی شرح ہے۔

(ل)

۴۲۔لمعات (فارسی) علم تصوف سے متعلق ہے۔

۴۳۔المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ (فارسی) ''وصیت نامہ'' کے نام سے یہ

رسالہ کئی بار شائع ہو چکا ہے۔

۴۴۔المقدمۃ السنیۃ فی الانتصار للفرقۃ السنّیۃ (عربی) مجدد صاحبؒ کے رسالہ ''ردروافض'' کا ترجمہ مع اضافہ فوائد ہے۔

۴۵۔المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ (فارسی) ترجمۃ قرآن سے متعلق ہے۔

۴۶۔المسوّی من أحادیث المؤطا (عربی) موطا امام مالک کی عربی شرح ہے۔

۴۷۔مصفی (فارسی) مؤطا کی فارسی شرح ہے اور بڑے فوائد وتحقیقات پر مشتمل ہے۔(مصفی کے عربی ترجمہ اور تحقیق کا کام حدیث کے ممتاز عالم مولانا سید سلمان حسینی ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذریعہ انجام پایا ہے۔(م)

۴۸۔المکتوب المدنی (عربی) وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے متعلق ایک اہم مکتوب ہے جو شائع ہو چکا ہے۔

۴۹۔مکتوبات معہ مناقب امام بخاری وفضیلت ابن تیمیہ (فارسی) یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے۔

(ن)

۵۰۔النبذۃ الابریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیۃ (فارسی) یہ اصلاً کتاب ''انفاس العارفین'' کا ایک جزء ہے۔

۵۱۔النوادر من أحادیث سید الأوائل والأواخر (عربی) مسلسلات کے ساتھ طبع ہو چکا ہے۔(مولانا عاشق الٰہی البرنی (مہاجر مدنی) نے اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ جدید طرز پر شائع کر دیا ہے۔(محمود)

(ہ)

۵۲۔ہمعات (فارسی) نسبت الی اللہ پر ہے۔

۵۳۔ھوامع شرح حزب البحر (فارسی)

ملاحظہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ بحث وتحقیق کے تحت حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصنیفات ورسائل کو موضوع بنا کر مستقل کام کا آغاز کیا جاچکا ہے، مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی کی سرپرستی میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی زیرنگرانی کئی فضلاء اس کام کو کررہے ہیں۔

اس ادارے نے حضرت شاہ صاحب کی کتابوں کی ایک ڈائرکٹری بھی تیار کی ہے، اس کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں حضرت شاہ صاحب کے نام سے تحقیقی واشاعتی شعبہ قائم ہے جس سے ان کے علمی کاموں اور تصنیفی خدمات کے تعارف کا کام جاری ہے اور پروفیسر یٰس مظہر صدیقی ندوی نے کئی اہم کتابیں اس ناحیہ سے پیش کی ہیں اور سیمیناروں کے ذریعہ اس کو اور وسعت دی جارہی ہے، اس کے علاوہ انفرادی طور پر کوششوں میں مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی اور مشہور عالم مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، پاکستان کے سابق مرکزی وزیر برائے مذہبی امور مولانا وصی مظہر ندویؒ (م ۲۰۰۶ء) کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، اور بڑی ناسپاسی ہوگی کہ اس سلسلہ میں ان سب سے متقدم مولانا عبیداللہ سندھی کی شخصیت کا ذکر نہ کیا جائے جو اس میں اپنی خصوصیت وانفرادیت کے ساتھ معروف رہی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بحیثیت مصنف (۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اسلام کے ان جلیل القدر عالموں میں سے ہیں جن کی شہرت وعظمت زمان ومکان کے حدود سے آگے بڑھ چکی ہے، اور جن کا بیش قیمت علمی ترکہ ایک قوم اور اقلیم کی میراث نہیں بلکہ پوری امت اسلامیہ اور پورے عالم اسلام کا سرمایۂ فخر ہے، لیکن اس علمی حقیقت تک ان لوگوں کی رسائی جن کو شاہ صاحب کے خارق عادت علمی وذہنی کمالات کا مشاہدہ (بعد زمانی یا بعد مکانی کی وجہ سے) نصیب نہیں ہوسکا، آپ کی تصانیف ہی کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے، اس لیے آپ کی تصنیفی خصوصیات کی وضاحت اور مصنف کی حیثیت سے اسلام کی علمی ودینی تاریخ میں آپ کے مقام کی تشریح، آپ کی صحیح معرفت کے لیے ضروری اور نہایت اہم علمی موضوع ہے جس کے بغیر نہ صرف آپ کا تذکرہ، نہ صرف ہندوستان کی علمی تاریخ، بلکہ اسلام کی علمی تاریخ بھی نامکمل رہے گی۔

شاہ صاحبؒ کا مرتبہ مصنف کی حیثیت سے

شاہ صاحبؒ اسلام کے ان چند مصنفین میں سے ہیں جن کی تعداد مصنفین اسلام کی بے نظیر کثرت کے باوجود بہت کم ہے، حاشا وکلا یہ اسلام کے مشہور تاریخی فخر اور امتیاز کا

(۱) یہ مضمون بے کم وکاست اسی طرح پیش کیا جارہا ہے، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''الفرقان'' میں اسے حضرت شاہ ولی اللہ نمبر میں شائع فرمایا تھا۔ (محمود)

انکار اور مصنفین اسلام کی تنقیص نہیں ہے، دنیا کے کسی مذہب کی علمی تاریخ اتنے اہل قلم، اتنے صاحب تصنیف اور تاریخ کی اتنی مختصر مدت میں اتنا وسیع، معمور اور قیمتی کتب خانہ نہیں پیش کرسکتی جتنا اسلام نے پیش کیا، لیکن اس موقع پر ہمارے سامنے عظمت کا معیار تصانیف کی کثرت، موضوع کا تنوع، کتابوں کی ضخامت، تصانیف کی مقبولیت اور رواج، مضامین کا اشکال اور پیچیدگی، خیالات میں تعمق اور فہم یا تشریح مطالب میں موشگافی، متن کا اختصار اور مطلب کی تلخیص یا شارحانہ اور مفسرانہ گرہ کشائی اور نکتہ رسی میں سے کوئی چیز نہیں ہے، یہ سب کمالات اپنی جگہ پر مسلم اور یہ تمام علمی خدمات اپنے اپنے زمانہ میں لائق احترام و شکر، لیکن تجدید و امامت کا مقام اس سے بلند ہے ہر مصنف امام وقت اور مجدد فن نہیں ہوتا، اس مقام کے لیے شرط ہے کہ مصنف نے کسی موضوع پر کوئی ایسی چیز پیش کی ہو جس سے اس وقت تک کا کتب خانہ خالی ہو، نئے علمی نظریات اور (علم و دین کے حدود کے اندر رہ کر) تازہ خیالات اور جدید تحقیقات پیش کی ہوں، اس کے یہاں جدت فکر ہو، ذہن کا اجتہاد ہو اور مضامین و مطالب میں اصلیت اور اولیت ہو(۱)، اگر تنہا یہی شرط ہے تو علامہ ابن خلدون ایسے مصنف کی بہترین مثال ہے، لیکن اگر ''فکر ارجمند'' کے ساتھ ''دل دردمند'' اور عقل کے ساتھ عشق جمع ہو جائے اور مصنف کا قلم نغمہ زن کی انگلی کی طرح رباب دل کے تاروں کے ساتھ کھیلنے لگے، تو وہ صرف مصنف نہیں رہتا، بلکہ ایک اخلاقی اور دینی مصلح بھی بن جاتا ہے، امام غزالی کی بعض تصنیفات میں یہ رنگ پایا جاتا ہے۔

لیکن اگر علم و استدلال کیساتھ کوئی صحیح دینی تحریک و دعوت کوئی اصلاحی جوش اور کسی صالح انقلاب کی خواہش شامل ہو جائے، اور اس کی تحریروں اور تصنیفات سے کسی نئے دور کا آغاز اور کسی نئی جماعت کی پیدائش کا سامان ہو تو وہ مجدد کہلانے کا مستحق ہوتا ہے، امام ابن تیمیہؒ اور حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال ہیں۔

ہمارے نزدیک شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان میں سے اکثر کمالات کے

---

(۱) اصلیت اور اولیت سے مراد یہ ہے کہ یہ خیالات اسی کے ہوں کسی کی تقلید سے نہ پیدا ہوئے ہوں اور اس سے پہلے اس طرح کسی نے ان خیالات کا اظہار نہ کیا ہو۔

جامع ہیں اسلام کی باکمال مصنفین کی خواہ کتنی ہی مختصر فہرست بنائی جائے، آپ کے نام کے بغیر وہ نامکمل رہے گی اور ترتیب ومراتب کے لحاظ سے آپ کا نام اتنا پیچھے نہیں رہے گا جتنا کہ تاریخ کے لحاظ سے آپ کا زمانہ پیچھے ہے۔

وانی وان کنت الاخیر زمانۃ

لآتٍ بما لم تستطعہ الاوائل

لیکن اس کے قبل کہ ہم شاہ صاحب کی تصنیفی خصوصیات کی طرف اشارہ کریں ہم اسلام کی ہزار سالہ تصنیفی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا چاہتے ہیں، تاکہ شاہ صاحب سے پہلے جتنا علمی کام ہو چکا تھا نیز تصنیف کا ارتقا وانحطاط ہمارے سامنے رہے۔

اسلام کی تصنیفی تاریخ پر ایک نظر

مسلمانوں کی تصنیفی تاریخ حدیث اور متعلقات قرآن سے شروع ہوتی ہے اس لیے طبعی طور پر ان کی تصنیفی کاوشوں کا موضوع اور ان کی دماغی جولانیوں کا میدان، نقل وروایات، جمع وترتیب کا میدان تھا، اور اس میں انھوں نے اس تحقیق وتفتیش اس دیانت واحتیاط کا ثبوت دیا جس کی زیادہ سے زیادہ کسی انسان سے توقع کی جاسکی ہے، چوتھی صدی ہجری تک کی بہترین اسلامی تصنیفات اسی موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔

دینی ومدنی ضرورتوں سے فقہ کا علم پیدا ہوا اور علماء نے دوسری ہی صدی سے اس میں مجتہدانہ تصنیفات کیں جن میں سے قدیم کتابوں میں سے امام شافعی کی بے نظیر کتاب الامّ اور اس کے بعد ابن قدامہ حنبلی کی جلیل القدر تصنیف المغنی اور پچھلی صدیوں میں احناف کی مایۂ ناز کتاب ہدایہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

مسائل کے استنباط اور قیاس واجتہاد کے سلسلہ میں ضروری طور پر اصول فقہ کی طرف توجہ ہوئی اور بہت جلد مسلمانوں نے اس کو اتنی ترقی دی کہ غالباً کسی مذہب وقوم کے اصول تشریع وقانون سازی نے اتنی ترقی نہ حاصل کی ہوگی، اس فن میں مسلمانوں کی

بہترین دماغی جودت صرف ہوئی، اور وہ ان کی ذہانت کا بہترین نمونہ ہے، امام غزالیؒ کی مستصفی اور علماء احناف اور شافعیہ کی طویل ومتوسط کتابیں اس کا ثبوت ہیں۔

علوم منقولہ میں سے فن تفسیر کی طرف بھی پوری توجہ ہوئی، مگر عرصہ تک مصنفین کا نقطہ نظر (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) یہ رہا کہ آیات سے متعلق زیادہ سے زیادہ ممکن مواد جمع کردیں، اور یہ کام بعد کے آنے والوں کے لیے جن کے سامنے وہ ماخذ نہیں ہیں بہت مفید اور ضروری ہے، لیکن ان میں ذاتی تفکر، زندگی اور ماحول پر ان کی تطبیق، اور بیشتر کتابوں میں تنقیح کی کمی، اور بعض میں اپنے زمانہ کے فانی اور وقتی خیالات ونظریات سے تاثر کی زیادتی اور اپنے زمانہ کا عکس ہے اس دور میں اصول تفسیر کی عدم تدوین اور اس پر کسی معتدبہ کتاب کا نہ ہونا بھی ایک محسوس کمی ہے۔

دوسری صدی کی ابتدا ہی میں، ابتداءً مختلف قوموں کے اختلاط اور مختلف مذاہب کے اجتماع سے اور بعد میں یونانی فلسفہ اور خیالات کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک نہایت خام قسم کی عقلیت پیدا ہوئی جس میں کسی قسم کی گہرائی اور پختگی نہیں تھی اور جو فردیا قوم کی نوعمری یا ذہنی مرعوبیت کی حالت میں کبھی کبھی پیدا ہوجایا کرتی ہے اس لیے اس موضوع پر ہمیں معتزلہ سے لے کر فلاسفہ تک (بشمول ابن سینا اور ابن رشد) کسی کی تصنیف میں کوئی جدت فکر، اجتہاد اور ارسطو کے فلسفہ میں کوئی اضافہ یا ترمیم یا کسی انقلابی کوشش کا نشان نہیں ملتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں یونانی فلسفہ اور اسلام کے تقابل میں وہ حریت فکر بھی نہیں جس کے یہ سب سے بڑی مدعی ہیں۔

اس فلسفہ کے مقابلہ میں علم کلام پیدا ہوا، اور اصول فقہ کے بعد یہ دوسرا فن ہے جس میں مسلمانوں کی ذکاوت صرف ہوئی امام ابوالحسن اشعری (المتوفی ۳۳۰ھ) اور امام ابومنصور ماتریدی (المتوفی ۳۳۳ھ) کی تصنیفات اور امام غزالی (۵۰۵ھ) کی جارحانہ اور امام رازی (۶۰۶ھ) کی مدافعانہ کوششیں اس سلسلہ میں ناقابل فراموش ہیں۔

فلسفہ اور علم کلام کے تقابل سے جو خاص قسم کی ذہنی پیچیدگیاں، غلط مذہبی نظریات

وتصورات، اور دوسری اسلام کے ضعف اور بُعد زمانہ سے بدعات اور مشرکانہ خیالات پیدا ہوگئے تھے ان کا اقتضا تھا کہ ایسے اشخاص پیدا ہوں جو سنت کا احیاء کریں، عقل ونقل کے اس معرکہ میں اسلامی عقائد ومسائل کی حکیمانہ تشریح کریں اور خالص اور قدیم اسلام کی طرف دعوت دیں، یہ خدمت آٹھویں صدی میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم نے اپنی عالمانہ تصنیفات کے ذریعہ انجام دی رحمہما اللہ، اس کے بعد خلاف وجدلیات اور مذہبی مباحث اور علمی مناظروں کا دور شروع ہوا، اور بہترین قوتیں اس میں صرف ہونے لگیں، اسی دور میں حدیث کے متعلقات پر نہایت بیش قیمت اور جلیل القدر تصنیفات ہوئیں جن میں سے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

اس کے بعد سے تمام عالم اسلامی میں ایک عام علمی انحطاط اور تصنیفی زوال شروع ہوا، جو بارہویں صدی تک قائم رہا، اجتہاد وتفکر کی قوت جاتی رہی، علم میں تقلید شعار بن گیا، فنون کی شرح وتلخیص مآل کار رہ گیا، اور علماء پر ''مدرسیت'' طاری ہوگئی، مدرسہ تصنیفات، اور متعلق درسی کتابیں سرمایہ فخر بن گئیں، ہمتیں پست ہوگئیں، شرح وتلخیص اور اس کے بعد صرف تحشیہ پر قناعت کی جانے لگی، بحث ونظر کا میدان تنگ سے تنگ اور تفکر کا دائرہ محدود سے محدود ہوتا گیا، علوم معقول بھی منقول جن گئے، نقلیات میں تفکر، عقلیات میں اجتہاد، قدیم علمی اندوختہ میں نئے اضافے اور طریق بحث واستدلال میں تغیر کی رسم موقوف ہوگئی گیارہویں اور بارہویں صدی کے عرب اور ہندوستانی علماء ومصنفین کے تذکرے ملاحظہ ہوں، کوئی مجتہدانہ تصنیف اور کوئی نایاب علمی تحقیق نہیں ملے گی۔

علم وتصنیف کے اس دور انحطاط میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے، لیکن وہ اپنے زمانہ کی پیداوار نہیں ہیں، ان کی ذہنی سطح، ان کے مدارک، ان کے علوم ومعارف اپنے زمانہ کے عام علماء کی سطح سے بہت بلند تھے اور وہ ان اشخاص میں تھے جو کئی کئی سو برس کے بعد اپنے زمانہ کے بالکل برخلاف، اہل زمانہ سے بالکل مختلف پیدا ہوتے ہیں اور ان کو عبقرئین اور نوابغ کہا جاتا ہے، شاہ صاحب خود اپنے الفاظ میں اسی تخریج بہ

تخریج اور تفریع بر تفریع'' کے دور میں پیدا ہوئے۔(ازالۃ الخفاء،ص:۱۵۷) لیکن آپ کی تصنیفات اپنے زمانہ کی عام روش سے بالکل علاحدہ، آپ کا طرز فکر و بحث جدا، اور آپ کے مضامین ان لوگوں کے لیے جن کے معلومات عام درسی کتابوں تک محدود ہیں بالکل نئے ہیں، چنانچہ خود آپ کو اس کا احساس تھا اور جا بجا آپ نے اس کا اظہار فرمایا ہے، ازالۃ الخفا میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

''ولابد چوں ایں ہفت نکتہ گفتہ شد باید دانست کہ مفہوم خلافت خاصہ بر نہجی کہ بیان کردیم علمی است شریف کہ نور توفیق آنرا در خاطر بندۂ ضعیف ریختہ یستعظمہ من یعرفہ وینکرہ من لایعرفہ وذلك من فضل الله علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون''.

اس موقع پر جہاں یہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت عمر کی حیثیت مجتہدین امت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسی مجتہد مستقل کی منتسب مجتہدین کے مقابلہ میں ہوتی ہے لکھتے ہیں:۔

لیکن فہم ایں معنی بغایت دقیق است جمعے کہ سرمایۂ علم ایشاں شرح وقایہ وہدایہ باشد کجا ادراک ایں سر دقیق توانند کرد''.(ازالۃ الخفا ۲/۸۴)

اب ہم اپنی حیثیت کے مطابق شاہ صاحبؒ کی خصوصیات تصنیف بیان کرتے ہیں:

خصوصیات تصنیف

ا۔ سبقت واولیت

اسلامی مسائل کی حکیمانہ توجیہ وتشریح، اور تطبیق عقل ونقل اگرچہ بارہویں صدی کے عالم کے لیے بالکل نیا موضوع نہیں تھا، خود شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ کے مقدمہ میں امام غزالی خطابی، اور شیخ الاسلام عز الدین بن عبدالسلام کا نام لیا ہے جنہوں نے احکام شرعی کے حکم ومصالح بیان کیے ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان بزرگوں نے جو کچھ لکھا اس کی

حیثیت اشارات ونکات سے زیادہ نہیں ہے، اسلام کے پورے نظام شرعی کی حکیمانہ تشریح ہمیں شاہ صاحب سے پہلے نہیں ملتی، اس اہتمام، وسعت اور جامعیت کے ساتھ اس موضوع پر ہمارے علم میں حجۃ اللہ البالغہ پہلی تصنیف ہے، اور پھر اس کے اکثر ابواب ومضامین بالکل نئے ہیں اور فلسفہ، علم کلام، قرآن وحدیث، تصوف، اور ذاتی غور ومشاہدہ اور قوتِ استدلال کی آمیزش شاہ صاحبؒ ہی کا حق ہے۔

اصول تفسیر پر کوئی چیز عام طور پر نہیں ملتی، صرف چند اصول وقواعد تفاسیر کے مقدمہ میں یا اپنا طرز تصنیف بیان کرنے کے لیے بعض مصنفین چند سطروں میں لکھ دیتے ہیں، شاہ صاحب کی کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر بھی اگرچہ مختصر ہے لیکن پوری کتاب سراسر نکات وکلیات ہے، درحقیقت ایک جلیل القدر عالم کی جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا عملی تجربہ ہے ایک قیمتی ہے اور نادر بیاض ہے، اس کی قدر وہ ہی لوگ جان سکتے ہیں جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو، بعض بعض اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق ووجدان اور فہم قرآن کی بنا پر لکھ دیئے ہیں، دوسری کتابوں کے سینکڑوں صفحات کے مطالعہ سے نہیں حاصل ہو سکتے، اسی رسالہ کے مقدمہ میں شاہ صاحب کا یہ فرمانا حرف بحرف صحیح ہے کہ:

''میگوید فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم عاملہما اللہ تعالیٰ بلطفہ العظیم چوں بریں فقیر درے از فہم کتاب اللہ کشادند خواست کہ بعضے نکات نافعہ کہ در تدبر کلام اللہ یاراں را بکار آید در رسالہ مختصرے مضبوط نماید امیدواری از عنایت حضرت باری آں ست کہ طالب علماں را بہ محرو فہم ایں قواعد راہے واسع در فہم معانی کتاب اللہ کشادہ گردد کہ اگر عمرے در مطالعہ تفاسیر یا گزرانیدن''۔

قرآن کے مضامین ومقاصد، اس کے طرز واسلوب کی خصوصیت اور انسانی تالیفات خصوصاً متاخرین کی کتب درسیہ سے اس کے اختلاف اور شان نزول کے متعلق چند لفظوں میں جو کچھ لکھا ہے آج اس میں ممکن ہے کوئی ندرت نہ معلوم لیکن بارہویں صدی میں یہ قطعاً نئے خیالات تھے اور آج بھی کتنے حلقوں میں یہ خیالات نامانوس ہیں۔

قرآن مجید نے جن قوموں کی تردید کی ہے ان کے اصلی اور صحیح خیالات وعقائد اور کمزوریوں کا بیان، ان کی گمراہیوں اور غلط فہمیوں کے حقیقی اسباب اور ان کی تاریخ نفاق کی تشریح اور مسلمانوں کی بعض جماعتوں پر ان کی تطبیق، فہم قرآن کی اساس ہے، جو اختصار کے باوجود اس وضاحت کے ساتھ کسی بڑی سے بڑی تفسیر میں نہیں ملے گی۔

نسخ میں متقدمین ومتاخرین کے اصطلاحی فرق کی توضیح اور منسوخ وناسخ آیات میں تطبیق، صحابہ وتابعین کے تفسیری اختلافات کا حل شاہ صاحب کی عمدہ تحقیقات میں سے ہے۔

نحو کے مشہور اور ظاہری قواعد کی بعض آیات سے بظاہر عدم مطابقت کی جو توجیہ شاہ صاحب نے کی ہے (مجتبائی، ص:۴۴) اس کی قدر وہ لوگ کر سکتے ہیں جو نحو کی تدوین کی تاریخ سے واقف اور بصرہ اور کوفہ کے دبستان کے اختلافات پر نظر رکھتے ہیں۔

بہر حال اس کتاب کا ہمارے ہاتھوں میں ہونا خدا کی ایک نعمت اور اس کا ہمارے نصاب درس میں عام طور پر داخل نہ ہونا اس نعمت کی ناقدری، اور ناواقفیت یا بدمذاقی ہے۔

خلیفہ کے شرائط اور اسکے احکام پر اگر چہ جستہ جستہ چیزیں، فقہ اور علم کلام کی کتابوں میں ملتی ہیں مگر اسلام کے نظام حکومت کی تشریح اور خلافت اور خلافت خاصہ کی تقسیم اور ان کے جداگانہ اوصاف کا بیان ازالۃ الخفا کے سوا کہیں نہیں، نیز قرآن سے خلافت راشدہ کے اثبات میں شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے تفردات میں سے ہے۔

رسالہ انصاف اور حجۃ اللہ کے محدثانہ ابواب میں شاہ صاحب نے مذاہب کے اختلاف کے اسباب اور اس کی تاریخ کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی سلامت فہم، اصابت رائے اور دقت نظر نیز وسعت قلب کی بہترین دلیل ہے، اور اس طرز پر اس سے پہلے کسی عالم کی تحریر دیکھنے میں نہیں آئی۔

اس سبقت واولیت کے علاوہ اگر ہم شاہ صاحبؒ کی دوسری تصنیفی خصوصیات کو مختصر الفاظ میں بیان کریں تو وہ یہ ہوں گی، ۱۔ دقت نظر، ۲۔ وسعت نظر، ۳۔ سلامت فہم، ۴۔ سلاست بیان، ۵۔ قوت انشا وتعبیر۔

ان میں سے ہر ایک کی علاحدہ علاحدہ تشریح کرنے کے بجائے ہم شاہ صاحبؒ کی دو معرکۃ الآراء کتابوں:۔ (حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفا) پر تبصرہ کرتے ہیں، شاہ صاحبؒ کے مقام کے سمجھنے کے لیے ان دو کتابوں کا پڑھنا کافی ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ

شاہ صاحب کی یہ مایۂ ناز تصنیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات میں سے ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے امتیوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے، اور جن سے اپنے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز نمایاں اور اللہ کی حجت تمام ہوئی، بارہویں صدی کے کچھ بعد ہندوستان اور تمام اسلامی ممالک میں ''عقلیت'' کا جو دور شروع ہونے والا تھا اور احکام وشرائع کے اسرار ومصالح کی جستجو کا جو عام ذوق پیدا ہونے والا تھا، اس کا یہی اقتضا تھا کہ اس دور کے شروع ہونے سے پہلے بارہویں صدی کے امام کے قلم سے ایسی کتاب لکھوادی جائے، چنانچہ شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ کے دیباچہ میں ان غیبی اشارات اور بشارتوں کا ذکر کیا ہے جو اس خیال کی محرک ہوئیں، اور جن سے معلوم ہوتا ہے اس کام میں کس قدر غیبی تحریک وتائید شامل تھی۔

ہمارے علم میں کسی مذہب کی تائید اس کی حکیمانہ توجیہ اور کسی مذہبی نظام کی فلسفیانہ تشریح میں کسی زمانہ میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی، یا اگر لکھی گئی تو دنیا کے سامنے نہیں، اسلام کے معاشی وسیاسی نظام پر بھی جابجا جو ارشادات اور متفرق نکات ہیں ان کو اگر ازالۃ الخفا اور دوسری تصنیفات کے اشارات ونکات کے ساتھ جمع کرلیا جائے، تو وہ بڑے کام کی چیز ہوسکتی ہے اور تشریح وتفصیل کے لیے ایک اچھا متن بن سکتا ہے۔

اس مختصر سے مضمون میں اس کتاب پر تبصرہ کرنا اور اس کے محاسن کو نمایاں کرنا بہت مشکل ہے پھر ہر شخص کا ذوق، نقطۂ نظر، اس کی مشکلات اور ان کے حل کی راہ جدا ہے اس لیے اپنے ذوق کے مطابق اس کتاب کے بعض ابواب پر ہم ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

مبحث اول کے تمام ابواب تقریباً شاہ صاحبؒ کے تفردات میں سے ہیں، تکلیف ومجازات پر اعلیٰ متکلمانہ بحث ہے جس سے بہت سے عقدے کھل جاتے ہیں، انسانوں کی صلاحیت واستعداد کے مدارج اور فطری تفاوت اور ملکیت وبہمیت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے شاہ صاحب کی کمال نکتہ دانی اور نفسیات وطبائع انسانی کا وسیع اور عمیق مطالعہ معلوم ہوتا ہے۔

مبحث خامس میں دوسری مفید بحثوں کے علاوہ معاصی وآثام پر سیر حاصل بحث ہے۔

مبحث سادس اول سے لے کر آخر تک بے نظیر ہے اس مبحث کو پڑھ کر شاہ صاحبؒ کی دقیقہ رسی کے ساتھ غایت درجہ کا سلامت فہم بھی معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب مذاہب کی تاریخ اور طبائع ونفسیات ادیان نیز تشریع اور قانون سازی کی باریکیوں پر کتنی گہری نظر رکھتے ہیں، یہ پورا باب مجتہدانہ اور حجۃ اللہ کے محاسن میں سے ہے۔

مبحث سابع میں جو مضامین ونکات آگئے ہیں وہ عام طور پر اصول فقہ کی کتابوں میں نہیں مل سکتے اور اس میں بعض حقائق ایسے آگئے ہیں، جو اصول وکلیات کا حکم رکھتے ہیں اور جن کے جاننے کی وجہ سے بڑی بڑی غلط فہمیاں اور بے اعتدالیاں ہوتی ہیں۔

تتمہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں شاہ صاحبؒ کی وسعت نظر اور وسعت قلب کی بہترین دلیل ہے اور اس سے شاہ صاحبؒ کا ذوق حدیث، کتب حدیث کی محبت اور مسلک اجتہاد معلوم ہوتا ہے جو ان کا اصل ذوق اور مسلک ہے۔

شاہ صاحبؒ کی عربیت

اس موقع پر نامناسب نہ ہوگا اگر ہم شاہ صاحب کے ایک اور امتیاز کی طرف بھی اشارہ کردیں جس میں شاہ صاحبؒ نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ میں منفرد ہیں، وہ شاہ صاحب کی عربیت اور عربی میں قدرت تحریر ہے۔

اہل نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں، کہ ہمارے ملک میں اسلام کے دوسرے

مفتوحہ ممالک کی طرح کبھی بھی عربی کا صحیح اور اعلیٰ ذوق نہیں رہا، یہ نظری ذوق اگر کبھی رہا بھی ہو، تو اس میں شبہ نہیں کہ تحریر میں عربیت اور قدرت یہاں بہت نایاب رہی، اگر تاریخی جستجو کی جائے تو میر غلام علی آزاد بلگرامی اور بعض ایسے ہندوستانی مصنفین کو چھوڑ کر جن کی زندگی کا بڑا حصہ عربی ممالک اور عرب فضلا کی صحبت میں گزرا ایسے مصنفین کا ملنا مشکل ہے، جن کی عربی تحریر، ادبی انتقام سے پاک، عربی ذوق کے مطابق سلیس و رواں ہو، نصاب درس کی مخصوص ساخت اور ہندوستان میں عربی نظم (متنبی و سبع معلقہ و حماسہ) کے نمونوں کی زیادتی اور خوبی کی وجہ سے ہندوستانی علماء کی نظم ان کی عربی نثر سے کہیں بہتر ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ پہلے ہندوستانی مصنف ہیں جنکی عربی تصانیف (بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ) میں اہل زبان کی سی روانی و قدرت اور ادباء عرب کی سی عربیت ہے اور وہ ان بے اعتدالیوں سے پاک ہیں جو عجمی علماء کی عربی تحریر میں پائی جاتی ہیں۔

ہم ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں اور یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ علمی اور سنجیدہ مضامین پر جو مقدمہ ابن خلدون کے بعد حجۃ اللہ البالغہ عربی نثر و تحریر کا پہلا کامیاب نمونہ ہے، بلکہ بعض اہل ذوق کا خیال ہے کہ مقدمہ ابن خلدون میں ادبیت اور حجۃ اللہ میں سلاست زیادہ ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بارہویں صدی تک (بلکہ بعض مقامات پر اس وقت بھی) حریری کے مقامات عربی نثر کا واحد نمونہ تھا، مضامین و خیالات کے مقابلہ میں الفاظ اور محاسن لفظی کی ترجیح، قافیہ کی شدید پابندی، دائرۂ خیال کی تنگی، مشکل و نامانوس اور پرشکوہ الفاظ کا استعمال اس طرز تحریر کی خصوصیات ہیں، اس طرز تحریر کی پیروی کے ساتھ سنجیدہ و سبع علمی مضامین اور حکیمانہ خیالات کا اظہار بے حد مشکل ہے، تمام دنیا میں حریری ہی کا سکہ چلتا رہا، اور ''مقامات'' دماغوں پر چھائے رہے، قاضی فاضل نے اپنی قابلیت اور منصب وزارت کی وجہ سے اس طرز کو اور مقبول بنا دیا، ابن خلدون پہلا شخص ہے جس نے اس لفظی طلسم کو توڑا اور ان پابندیوں سے آزاد ہو کر علمی و تاریخی اور فلسفیانہ مضامین کو جیتی جاگتی زبان میں ادا کیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ابن خلدون کے مقدمہ کے بعد پھر ہمیں اگر کوئی دوسری تصنیف اس طرز کی ملتی ہے تو اس طویل مدت میں صرف اسی ہندوستانی عالم کی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ ہے۔

حدیث وفقہ کے مضامین کو سلیس عربی میں ادا کر دینا ایک عالم کے لیے بے شک کمال نہیں لیکن حجۃ اللہ کا مبحث ثالث جس میں ارتفاقات کے ابواب ہیں ملاحظہ ہو، اسی طرح وہ دوسرے مضامین جس کے لیے شاہ صاحب کے سامنے کوئی دوسرا قدیم نمونہ نہیں تھا، شاہ صاحب کے ''نبوغ'' اور عبقریت کی دلیل ہیں۔

ازالۃ الخفاء فی خلافۃ الخلفاء

یہ شاہ صاحبؒ کی دوسری معرکۃ الآرا تصنیف ہے اور اپنی بہت سی خصوصیات کی بنا پر اپنے موضوع پر غالباً پہلی اور یقیناً اس وقت تک آخری کتاب ہے، تمام کتاب وجد آفریں اور ولولہ انگیز علمی اور ذوقی نکات سے لبریز ہے، جس کا پورا اندازہ پوری کتاب پڑھنے سے ہوتا ہے، کوئی شخص بھی جو اس کتاب کے مقصد اور مصنف کے مسلک سے اختلاف رکھتا ہے اگر انصاف کے ساتھ اس کتاب کے اکثر حصہ کے مطالعہ کی زحمت گوارا کرے تو اس کو خلفاءؓ کی عظمت کا قائل ہو جانا پڑے گا۔

اس کتاب کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسلام میں صحابہ کرامؓ کا مقام، ان کے فضائل ان کے حقوق، اور اس کے متعلق مباحث پر بے نظیر گفتگو اور افادات۔

۲۔ خلفاء راشدینؓ کی خلافت کا ثبوت قرآن مجید سے اس کتاب کی بہترین بحثوں میں سے ہے جو نکات وحقائق سے لبریز ہے، خصوصاً آیت تمکین آیت استخلاف، آیت اذن قتال، آیت اعراب (قل للمخلفین من الاعراب) آیات (محمد رسول اللہ والذین معہ) آیت (یریدون لیطفئوا نوراللہ) آیت شوریٰ (سورۂ

شوریٰ (ازالہ، ۱/۲۳۱) آیت (او من کان میتاً فاحییناہ) (سورہ انعام) (ازالہ، ۱/۱۷۸-۱۷۹) کی جیسی تفسیر کی ہے اور اس کے ضمن میں قلم سے جو نکات و معارف نکل گئے ہیں، وہ کسی بڑی سے بڑی تفسیر میں نہیں مل سکتے، خلفاء کے فضائل اور بشارات میں جو روایات ہیں، البتہ وہ کہیں کہیں تحقیق و تنقیح کے قابل ہیں۔

۳۔ نبی، خلیفہ، محدث اور صدیق کی تعریف ان کے اوصاف اور خلافت خاصہ کی تشریح شاہ صاحب کا خاص موضوع اور اس کتاب کا خاص مضمون ہے۔

۴۔ اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اسلام کی دینی تاریخ اور ذہنی و مذہبی انقلاب و تغیر کا اُبھرا ہوا خاکہ ہے، اسلام کی سیاسی و علمی تاریخیں تو بے شمار ہیں، لیکن ایسی تاریخ کہیں نہیں ملتی، کتابوں میں منتشر مواد ملتا ہے، اس کتاب میں بھی اس موضوع کے متعلق بہت سا مواد جمع کر دیا ہے، مثلاً اگر آپ جاننا چاہیں کہ دینی انحطاط تدریج کے ساتھ کس طرح ہوا اور اس کے مظاہر کیا تھے، کن کن چیزوں میں اصل معیار سے انحراف ہوا، تو آپ ''خیر القرون سے متصل اور اس کے بعد کے فتنوں (از، ۱/۱۲۲)'' ''خیر القرون اور شر القرون کے احکام کا اختلاف'' (از، ۱/۱۳۶) اور ''تغیرات کلیہ'' کی بحثوں میں دیکھ سکتے ہیں اور اس سے ایک تاریخ مرتب کر سکتے ہیں۔

۵۔ عام حقائق و معارف جو ساری کتاب میں پھیلے ہوئے ہیں، خصوصاً کتاب کی فصل ہفتم میں جو پہلے حصہ کے صفحہ ۲۵۵ سے پہلے حصہ کے خاتمہ تک ہے۔

۶۔ خلفاء راشدینؓ، خصوصاً شیخینؓ اور بالاخص حضرت فاروق اعظمؓ کے ولولہ انگیز اور ایمان افروز تاریخی حالات اور سیرت جس میں بڑے استقصا سے کام لیا گیا ہے اور بڑی اچھی تربیت اور موثر انداز میں ان کو پیش کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ اس مختصر سے تعارف اور تبصرہ سے شاہ صاحب کا وہ مقام و مرتبہ واضح ہو جائے گا جو آپ کو اسلام کی علمی اور تصنیفی تاریخ میں حاصل ہے۔

☆☆☆☆☆